# سفرنامہ ایران

مع

ات اعلےٰ حضرت شاہ کجکلاہ مظفر الدین قاچار خلد اللہ ملکہ

وموجودہ کوائف ایران

مصنفہ

جنرل سر ٹامس ایڈورڈ گارڈن کے سی آئی ای

سی بی سی ایس آئی

بق ملٹری اٹاشی و اورینٹیل سکرٹری انگریزی سفارتخانہ طہران

ومصنف کتاب بام دنیا وغیرہ

جسکا اردو ترجمہ

کارپردازان وطن لاہور نے کیا

اور سنہ ۱۹۰۶ء

ینین سٹیم پریس لاہور میں باہتمام مولوی محمد انشاء اللہ طبع ہو

ایکہزار (۱۰۰۰) نسخہ

قیمت ایک روپیہ (عہ)

جنرل گارڈن نے ۱۸۹۵ء میں ایران کا سفر کیا اور وہاں کے مشاہدات سے بہ یقین لیکر انگلستان کو لوٹے کہ ایران کی ترقی و اصلاح کے سب باب زبردست آثار و شواہد موجود ہو گئے ہیں۔ ان تازہ مشاہدات کو پرانے تجارب کے ساتھ ملا کر انہوں نے کتاب کی صورت میں مدون کرنا شروع کیا۔ مگر ابھی چھ باب ہی لکھے تھے کہ شاہ ناصر الدین شہید کے انتقال کی خبر پہنچ گئی جس پر انہوں نے دو باب اور بڑھا دیے جس میں موجودہ شاہ اور اس کے بھائیوں اور صدر اعظم اور ایران کی موجودہ حالت پر بحث کی گئی ہے ذاتی تجارب کے علاوہ مصنف نے۔ ملکم۔ فریزر۔ والیمن اور کرزن کی تالیفات متعلقہ ایران سے بھی کتاب ہذا میں استفادہ کیا ہے

سلطنت عثمانیہ کے متعلق ابنائے ملک کیلئے اردو میں معلومات کا ذخیرہ کافی جمع کر دینے سے فارغ ہو کر نیاز مند ایڈیٹر وطن اب دیگر اسلامی ممالک اور سلطنتوں کے متعلق بھی ویسا ہی ذخیرہ بہم پہنچا دینا چاہتا ہے مراکو کی گذشتہ و موجودہ تاریخ چھپ چکی ہے اور ایران کے متعلق کارخانہ وطن کی یہ دوسری کتاب ہے۔ سید امیر علی کی تاریخ اسلام کا اردو ترجمہ بھی زیر طبع ہے اور مصر و عرب و عراق کے متعلق بھی کئی کتابیں عنقریب شائع ہونیوالی ہیں۔ خدا کرے کہ یہ تالیفات و تراجم از دیاد معلومات کے ہمراہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں بھی ارتباط و اتحاد بڑھانے کا موجب ثابت ہوں۔ واللہ المستعان وعلی ما تصفون۔ اصل انگریزی کتاب مئی ۱۹۰۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ ۱۵۔ اگست ۱۹۰۶ء الملتمس بندہ محمد انشاء اللہ ایڈیٹر وطن لاہور

# باب (۱)

ایرانی لوگ جو کہ اپنی عادات میں ابھی تک خانہ بدوشوں سے ملتے جلتے ہیں اور لمبے لمبے مذہبی سفر کیا کرتے ہیں خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسطرح سفر میں دل بہل سکتا ہے اون کی مثل "اول رفیق بعدہ طریق" بہت سے سیاحوں نے پسند کیا ہے۔ چنانچہ جب سنہ ۱۹۵ء کے موسم خزاں میں میں نے بلاد ایران کا سفر کرنیکا ارادہ کیا تو پہلے ایک رفیق کو تلاش کیا اور خوش قسمتی سے مجھے دو دوست ایسے مل گئے جو اسطرف جانے والے تھے اور میری طرح پہلے بھی ایران کا سفر کر چکے تھے۔

ہم نے اڈیسہ کے راستہ باتوم کو جانے کا ارادہ کیا۔ اسلئے ہم برلن آڈربرگ اور لیمبرگ سے ہوتے ہوئے گئے۔ جب ہم اڈیسہ گئے تو معلوم ہوا کہ وارسا کا راستہ کم خرچ اور آرام دہ تھا۔ اگرچہ اوس میں آدھا دن زیادہ صرف ہوتا تھا اور لائن پر بہت کم جگہ گاڑی بدلنی پڑتی ہے اور صرف ایک محصول کی چوکی ہے اور آوڈربرگ کے راستہ میں دو چوکیاں ہیں۔ ایک آسٹریا اور دوسری روس کی۔ علاوہ ازیں وارسا کے راستہ سیدھا باتوم تک ٹکٹ مل سکتا ہے اور آوڈربرگ کے راستے یہ بات نہیں ہے۔ خاص آوڈربرگ اور پھر پاڈوالکنزسکا۔ اور پوڈولکنزسکا میں جو آسٹریا اور روس کی سرحد پر واقع ہیں نئے سرے سے ٹکٹ خریدنے اور اسباب بک کرانا پڑتا ہے۔ ہم ایک فسٹ کلاس کی یورپی گاڑی میں داخل ہوئے جو کہ وائینا سے جالٹا کی سمت کو جاتی تھی۔ جالٹا کریمیا میں ایک نہایت خوشنما شہر ہے جو کہ سمندر کے کنارے پر واقع ہے جس میں دو بڑے دلعزیز موسم ہوتے ہیں۔ موسم بہار اور موسم خزاں۔ یہ لوگ اس تیز ڈاک آگبوٹ پر سوار ہونے کو جا رہے تھے جو کہ موسم سرما میں ہر سہ شنبہ کو اڈیسہ سے باتوم کیطرف جاتا ہے۔ اور راستے میں سیبسٹاپول۔ جالٹا۔ اور نووراسک ٹھیرتا ہے۔ ہم بھی روسی آگبوٹ پر سوار ہونے کو جا رہے تھے اور بالکل بھری ہوئی فسٹ کی کوٹھریوں میں داخل ہوئے۔

واالک زسکا کی چوکی پر معائینہ کے واسطے اسباب بہت تہا اسلیئے بہت گڈ بڈ پڑ گئی اور دیر ہو گئی۔ ہم کارکنان چوکی کو بڑی ہوشمندی سے درخواستیں کرکے اپنا پورا اسباب بچا کے آگے نکل گئے۔ معلوم ہوتا تہا کہ واالک زسکا پر کاغذات اور کتابوں کو بڑے غور سے دیکھنے کا حکم دیا گیا تہا۔ اسپر بڑی بیوقوفی سے عمل کیا جاتا تہا۔ میرے اسباب میں معائینہ کرنے والا ایک بہاری لکھنے کے کاغذ سے بہرے ہوئے بکس کو نظر انداز کر گیا۔ اور سادہ نوٹ بک کانٹینیل براڈشا اور دیگر کارآمد کاغذات کا ایک بنڈل اوٹہا کر باوجود میرے ظاہر کرنے کے کہ وہ بالکل مضرت رساں نہیں ہیں اپنے اعلے افسر کے پاس لے گیا جو معہ ایک اور افسر کے آیا اور اس غلطی پر ہنستے ہوئے گہٹڑی باندہنے میں میری مدد کی ؎

ہم نے اپنے سفر کو بہت اچھی طرح شروع کیا۔ وہاں سے تیز دوڑتے ہوئے تیز جہاز کی روانگی کے دن اڈیسہ میں پہنچ گئے اور ساڑہے ۶ دن میں لنڈن سے باٹوم جا پہنچے۔ یہاں کے اگبوٹ سچیس سوٹن کا بوجہ اٹہا سکتے ہیں۔ اور جو بیس سو گہوڑے کی طاقت رکہتے ہیں اور ان میں بہت سے مسافر بیٹھ سکتے ہیں کوٹہریاں نہایت آرام دہ اور دالان نہایت اچھی طرح آراستہ ہیں۔ اور سب میں برقی روشنی ہوتی ہے۔ میرے خیال میں یہ جہاز ٹائین کے بنے ہوئے ہیں اور ان کے شہتیر جوڑے ہوتے ہیں اور خراب موسم میں بہت اچھی طرح کام دیتے ہیں۔ ناوارو سک ایک بہت بڑہتا ہوا بندر ہے جو کہ ایک خوبصورت کہاڑی میں واقع ہے حال میں بذریعہ ریلوے بڑی ٹرنک لائن سے ملا یا گیا ہے۔ جو کہ روسکو سے گذرتی ہوئی ماسکو جاتی ہے۔ اس ملاپ کی وجہہ سے بہت سی تجارت ڈان اور والگا سے اوس کی طرف کہنچی آتی ہے اور روسٹو اور ٹیگنروگ سے بہی بہت بڑا حصہ لیتا ہے جبکہ ازوف کے راستے بند ہوتے ہیں۔ ایک نہایت عمدہ دیوار سمندر میں بغرض حفاظت جہاز اور گاڑی میں اسباب لادنے کی بندرگاہوں کے واسطے آٹھہ لاکھہ

پچاس ہزار پونڈ کی کل قیمت سے تیار ہونے والی ہے - ناوار وسک دنیا
میں سب سے بڑا - ایلیویٹر سمجھا جاتا ہے - کریمیا سے باتوم تک ساحل کے
ساتھ ساتھ نظارہ نہایت عمدہ ہے اور موسم خزاں میں نہایت ہی
خوشگوار معلوم ہوتا ہے ۔

جس روز ہم باتوم پہنچے اوسی شام کو وہاں سے جلد چھٹی باکو تک جانے
والی گاڑی اب صبح کی بجائے شام کے وقت جاتی تھی اور تبدیلی کی
وجہ سے اب لائن کے اس حصے کا سفر جس سے بیشتر رات کے وقت گاڑی
گذرتی تھی دن کو کیا جانے لگا - ہم تفلس پیشتر سے دیکھ چکے تھے اسی لئے
ہم وہاں نہیں ٹھہرے - موسم گرم تھا لیکن اتنا گرم نہیں تھا کہ بے آرامی
ہوتی جب ہم تفلس پہنچے تو گاڑیاں شہر کے لوگوں سے گھر گئیں جو کہ
سنیچر سے پیر تک کی [illegible] در کر آرہے تھے - اور عمدہ موسم کی دلفریبیاں
اون کو سڑک کے اس پاس کئی مقامات میں کھینچ لائی تھیں - باتوم
باکو لائن پر گاڑیاں بہت آرام دہ ہیں اور ریفریشمنٹ روم یعنی
استراحت کے کمرے بہت سے اور اچھی طرح مہیا کئے گئے تھے اسلئے
وہاں کا سفر بہت آسان اور خوشگوار بنایا گیا ہے - اوس میں تیئیس
گھنٹے صرف ہوتے ہیں -

۱۶ ستمبر کو یعنی لنڈن چھوڑنے کے ۹ دن بعد ہم باکو میں پہنچے
اور دوسرے دن ہم نے شب کو وہاں سے انزلی جانے کا وعدہ کیا جو کہ
ایران کے ساحل پر واقعہ ہے اور طہران کا بندر ہے کوشش کی ایک
یونانی تجارتی کمپنی کے ایک ممبر کی مہربانی سے ہم کو تیل کے کوئیں اور
کلیں دیکھنے کا موقع ملگیا جو کہ ایک ایرانی لکھپتی کی ملک تھیں جس کا نام
غالباً تقی خان تھا - کہا جاتا ہے کہ تیل کے کارخانے کے ذریعے دولتمند
ہو کر اوس نے شہر کے نوجوانوں کو ایک گرجا - مدرسے کے مکان اور
ہسپتال نذر کیا - گورنمنٹ نے اوس کے فیاضانہ پبلک سپرٹ سے خوش
ہو کر اسکو عنبر آباد اراضی عطا کی جس پر اب اس کے تیل کے کارخانے بنے

چھوٹے ہیں۔ اور جہاں سے اس نے تیل کے چشموں کے ذریعہ سے لکھو کہا روپیہ کمائے ہیں۔

ہماری ملاقات تیل کا ایک بیا سرچشمہ ہمنز کی شکل میں اور سکی واسطے نیک فال ثابت ہوئی۔ ہم سب کارخانے اور گڑھے دیکھ چکے تھے۔ مگر کسی گڑھے میں تیل نہیں تھا۔ معمولی بھاپ کا پمپ چل رہا تھا۔ ہم واپس جانے کو ہی تھے کہ کنوؤں پر ایک حرکت نے ہماری توجہ کو مبذول کیا۔ ہم نے دیکھا کہ ایک تاریک رو فوارے کی طرح دو تین سو فیٹ کی بلندی سے اُن بلند چوٹیوں والی لکڑی کی چھتوں میں سے ہر ایک میں سے نکل رہی ہے جو کہ کنوؤں کے سروں پر بنائی گئی تھیں۔ جلدی سے واپس جا کر ہم نے دیکھا کہ ایک بڑی لوہے کی ٹوپی جو پمپ چلتے کے وقت سیدھی اوپر کھنچی ہوتی رہتی ہے نیچے جھکی اور کنوئیں کے منہ پر کچھ بلندی جم گئی۔ تاکہ باہر گرنے والی دھار نیچے خالی جگہ میں گرے جو کہ کنوئیں کے چاروں طرف تھی۔ اور پھر وہاں سے اوس کھائی میں جا کرے جو تیل کے خزانوں میں جاتی تھی۔ اُس کا زور اُس آواز سے معلوم ہوتا تھا جو اس کے ٹوپی پر لگنے سے ہوتا تھا۔ اور اوپر کو اٹھنے والی دھار ایک متحرک ٹھوس ستون کی طرح معلوم ہوتی تھی۔ حساب لگانے سے معلوم ہو گیا تھا کہ دو پچاس ہزار گیلن فی گھنٹہ کے حساب سے نکلتی تھی۔ صاف کرنے والے نکالنے والوں سے علیحدہ تھے۔ لیکن بعض بڑی بڑی کمپنیاں نکالتی بھی ہیں اور صاف بھی کرتی ہیں۔ البتہ اسمیں بہت سرمایہ کی ضرورت ہے۔

باکو کے تیل کے کنوؤں کا کام جوئے سے کچھ کچھ ملتا ہے گڑھے کھودنے میں بڑی بڑی رقمیں صرف کیجاتی ہیں۔ اور ناکامی اس قدر کثیر الوقوع ہے کہ تمام کار آمد سرمایہ زمین میں ڈبو دیا جاتا ہے۔ اچھے اچھے نشانات سے بھی یہ ممکن نہیں کہ کبھی نتائج یا کامیابی کی وسعت کا ٹھیک پتہ پہلے سے لگ سکے۔ اور نیز ان تیل کے قطعات میں ایک غیر معمولی بیقاعدگی ہے۔ ایک کسان مالک کا قصہ مجھ سے بیان کیا گیا

اوس نے اسقدر روپیہ کما لیا تھا کہ وہ آرام سے زندگی بسر کر سکتا تھا۔ مگر اس نے زیادہ روپیے کے لالچ سے پھر تیل کھودنے کا کام شروع کر دیا قریب تھا کہ وہ سب کچھ کھو بیٹھے مگر اچانک تیل نکل پڑا اور اس نے اپنی دولت پھر حاصل کر لی۔ وہ خود محنت کرتا تھا اور ایک معمولی مزدور کی طرح رات جا سوتا تھا۔ اور ایک دن اوٹھکر اپنی دولت کی حوالوں کو سچ پایا۔

اب باکو ہر طرح سے ترقی کر گیا ہے اور اب یہاں اچھے اچھے بازار۔ ہوٹل اور دوکانیں ہیں۔ پہلے پانی بہت کمیاب تھا اب شہر کی کلوں سے پہنچایا جاتا ہے۔ گھروں اور عمارتوں کے لئے جگہوں کی قیمت گذشتہ دس سال میں بہت ہی بڑھ گئی ہے۔ اور روپیہ کا بہت سا حصہ جو اسطرح کمایا جاتا ہے زیادہ تر دیسی مالکوں یعنی ایرانی یا تاتاریوں کے پاس جاتا ہے (یہاں کے مسلمان عموماً تاتاری کہلاتے ہیں) مجھ سے بیان کیا گیا کہ ایک قطعہ جس پر ایک چھوٹا سا مکان بنا ہوا تھا پیشتر چھ سو روپے کو خرید کیا گیا تھا۔ اور اب وہ تین ہزار روبل کو بکا۔ شہر بڑھتا جاتا ہے اور نئی نئی عمارتیں بنتی جاتی ہیں اور یہی ترقی تجارت اور آسائش کے آثار ہیں۔

بندرگاہیں آگبوٹوں اور بادبانوں والے جہازوں سے بھری رہتی ہیں اور گھاٹوں پر ایک مشغول نظارہ نظر آتا ہے۔ بوجھ لادنے اور اوتارنے کا کام دخانیں کلیں مضبوط حمال کرتے ہیں۔ جو کہ ایران کے اضلاع خالخال اور اردبیل سے آتے ہیں۔ مینے بڑی دلچسپی سے ان لوگوں کے ایک گروہ کو کام کرتے ہوئے دیکھا۔ اون کی حرکات و اطوار میں ایک حیرت سبکی۔ خاموشی اور ترتیب پائی جاتی تھی اور بھاری بوجھ اوٹھا کر لیجانے کی بڑی ہی قابلیت معلوم ہوتی تھی

باکو میں بہت سے ایرانی رہتے ہیں۔ بعض نے تو وہیں سکونت اختیار کر لی ہے اور بعض صرف خاص موسم کے واسطے آتے ہیں۔ وہ ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ دوکاندار۔ دستکار۔ معمار۔ ترکھان۔ گاڑیبان۔

چھکڑہ بان۔ اور مزدور سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اپنے
ایران میں رہنے والے ہموطنوں سے بالکل مختلف ہیں۔ آب و ہوا ایسے عیاری
اونکو گستاخ بنا دیتی ہے۔ لیکن یہاں یا کہیں اور ایران سے باہر وہ اپنے آپکو
بہت چالاک جفاکش اور عقلمند ثابت کرتے ہیں وہ آس پاس کے ملکوں
کے تمام تجارتی مرکزوں میں بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ یعنی قسطنطنیہ
دمشق۔ الیپو۔ بغداد تفلس عاشق آباد وغیرہ میں بہت سی نئی عمارتیں
ایرانیوں کی بنائی ہوئی ہیں اور ہزارہا اون میں سے آجکل ٹرانس کیسپین
ریلوے کے بنانے میں مشغول ہیں۔ مستقل مزدور جو کہ آجکل کام کر رہے
ہیں ایرانی ہیں اور عاشق آباد میں بارہ ہزار سے زیادہ سکونت پذیر ہیں
کہتے ہیں کہ پچھلی گرمیوں میں نئی ریلوے پر جو کہ تفلس سے اسکندرو پال
ہوتی ہوئی کارس کو جاتی ہے ۲۰ ہزار ایرانی جو کہ آذربیجان اور ہمدان
کے ضلعوں کے رہنے والے تھے کام کرتے تھے اور یقیناً اون میں سے بہت سی
لائین کے ساتھ ساتھ آباد ہو جائیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ پانچ لاکھ ایرانی اسیطرح اپنے ملک سے باہر رہتے اور
کام کرتے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں یہ مبالغہ ہے اون میں سے بہت سی
اپنی قومیت کو برقرار رکھتے ہیں۔ اور جیسا وہ اپنے ملک میں بڑبڑاتے ہیں
ایسے ہی باہر جا کر وہ اپنے ملک کی قسم کھاتے ہیں اور استقلال سے روپیہ
بچاتے رہتے ہیں تاکہ وہ پھر وہاں جا سکیں چونکہ اون کو خانہ بدوشی
کی عادت ہے۔ اسلئے وہ باہر جا کر روزگار تلاش کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں
میں نے سنا کہ سنہ ۱۸۹۴ء سے سنہ ۱۸۹۵ء تک بیس ہزار ایرانی پاسپورٹ قسطنطنیہ
کے سفارتخانے سے لئے گئے۔ اُن میں مسافر اور گھر جانے والے دونوں قسم
کے لوگ شامل ہونگے۔ یہی حب وطنی ہے جسکی وجہ سے اپنے قومی قونسل
کے پاس جاتا ہے اور بڑی خوشی سے بار بار اوس رعایا کی فہرست میں نام
لکھوانے کی فیس ادا کرتا ہے۔ جسکو اپنے بادشاہ کی پناہ میں رہنے اور جب
جی چاہے اپنے ملک کو واپس جانے کا حق حاصل ہے۔ ایرانی دوسرے ملک میں

پہننا ایک علیحدہ قومی لباس پہنتا ہے۔ ایک لمبی سیاہ بھیڑ کے چمڑے کی ٹوپی اور کئی پلیٹوں کا کوٹ۔

میں ایرانی حمالوں کا ذکر کر چکا ہوں جو کہ باکو میں نظر آتے ہیں۔ وہ پیرو سیک اور اسٹروجن میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اور دلیسی مزدوروں کی نسبت انہیں اکثر اچھا خیال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ دلیسی مزدور اپنی جماعت کے اور روسیوں کی طرح ہفتہ میں ایکدفعہ بہت سی شراب پیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ دوسرے روز کام نہیں کر سکتے۔ ایرانیوں کی عادات سنجیدہ ہیں اور ان پر روزانہ ہر وقت گھاٹوں اور بوجھ لادنے کی جگہوں پر حاضر ہونے کا بھروسا کیا جاتا ہے۔ مگر وہ تھوڑی سی رکیوڈکی شراب پینا سیکھ گئے ہیں اور جب اُن سے کہا جائے کہ تم تو مسلمان ہو تو وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ اُس وقت حرام کی گئی تھی جب محنت کا کام نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ حمال بہت طاقتور ہوتے ہیں اور علیحدہ علیحدہ بوجھ اٹھانے میں بہت ہمت ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن وہ اکٹھے کام نہیں کرتے۔ اور مل کر ایک بھاری بوجھ کو اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے جو کہ اکیلے آدمی کی طاقت سے باہر ہو۔ وہ تنہا روسی اٹھارہ پود کا وزن اوٹھا کر لیجاتے ہیں جو کہ انگریزی اٹھتالیس پونڈ کے برابر ہوتا ہے۔ اخبار میں میں نے دیکھا ہے کہ نامہ نگار نے موجودہ مشہور ارمنی جھگڑے کی بابت لکھتے ہوئے ارمنیوں کو نخیف الجثہ بتلایا ہے۔ مگر جہاں تک میں نے ایران روس۔ آرمینیا اور کاکیشیا کا مشاہدہ کیا ہے۔ میں نے دوسری قوموں اور ارمنیوں میں کوئی بڑا فرق نہیں پایا۔ باکو اور تفلس کی ریلوے لائن پر ارمنی طاقتور حمال عموماً پائے جاتے ہیں جہاں ٹھیکہ کی مزدوری کی وجہ سے زیادہ طاقتور آدمی ضرور آ جاتے ہیں۔

اگرچہ باکو کے تیل کی بہت سی آمدنی غیر ملکوں کے سرمایہ داری لیجاتے ہیں۔ تاہم بہت سی دولت دلیسیوں کے واسطے بھی رہتی ہے اور اسی کے لگانے کی وجہ سے بحیرہ خضر کے ارد گرد کے علاقوں کی تجارت کو ترقی

حاصل ہوا ہے اور جہاز رانی کو ترقی ہوئی ہے۔ اب بحیرہ خضر میں اکیسو اسی
اور دو سو کے درمیان تعداد آگبوٹوں کی ہے۔ علاوہ بہت سے بڑے بڑے
جہازوں کے جنہیں جرمن، سویڈن والوں، آرمنوں اور تاتاری ایرانیوں
کا سرمایہ لگا ہوا ہے۔

والگا کی دوخانی جہاز رانی کی کمپنی دو حصوں میں منقسم ہے ایک دریا کے
واسطے اور دوسری بحیرہ خضر کے واسطے۔ دوسرے حصے کے چھ بڑی بڑی
آگبوٹ ہیں جو ساٹھ سے اسی پوڈ کا بوجھ اوٹھا سکتے ہیں اور مایا یعنی تیل
وغیرہ نو سو سے بارہ سو ٹن تک وزن کا آسکتا ہے۔ اون کے ماتحت افسر
جرمن ہیں۔ اور کپتان روسی ہیں۔ یہ بہت ممکن ہے کہ جرمن افسر والگا کی نوآبادی
سے آتے ہیں اور غالباً کچھ سرمایہ اس جگہ سے بھی آتا ہے والگا کی دوخانی بحری
کمپنی پچاس سال ہوئے ایک سکاٹلینڈ کے رہنے والے نے قائم کی تھی جسکا نام
اینڈرسن تھا اور بعض پرانے جہاز ابتک اسباب لادنے کی کشتیوں کی طرح
استعمال کئے جاتے ہیں۔

بحیرہ خضر کے بہت سے اچھے اچھے جہازوں کے کپتان سویڈن اور فنلینڈ کے
رہنے والے ہیں۔ اون میں سے بہت سے انگریزی بولتے ہیں جو انہوں نے انگریزی
جہازوں میں نوکر رہ کے سیکھی ہے جو دنیا کے تمام حصوں میں جاتے ہیں ہر کوئی
کمپنی جو کہ اعلیٰ درجے کے آگبوٹ چلاتی ہے۔ سویڈن اور فینلنڈ کے افسروں کو
نوکر رکھتی ہے۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ جب جگہیں خالی ہونگی تو اون کی بجائے اب
روسی بحری افسر نوکر رکھے جاینگے۔ اس کمپنی کے جہاز بہت اچھی طرح نوکروں
سے مہیا کئے گئے ہیں۔ بہت اچھی کوٹھریاں ہیں اور ان میں برقی روشنی کا
انتظام ہے۔ لیکن بحیرہ خضر کے سب سے اچھے دوخانی جہازوں میں بھی خراب
موسم میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ سوائے ان تختے جن کی حرکت نقصان
نہیں پہنچا سکتی۔ چونکہ اس سمندر کے تمام ساحل پر پانی پھیلا ہے اسلئے سب
بڑے بڑے جہاز بغیر شہتیر کے ہوتے ہیں اون کی بابت یہ کہا جا سکتا ہے کہ
وہ بڑی بڑی کشتیاں ہیں جن میں انجن لگے ہوئے ہیں۔ اور جب ہروبل خالی

سمندر میں لنگر انداز ہوتے ہیں تو اون کی حرکت نہائیت خوفناک ہوتی ہے۔
ہم ۱۷ ستمبر کی رات کو ایڈمیرل کورنیلوف میں سوار ہوئے۔ جو کہ مرکری کمپنی کے سب سے اچھے جہازوں میں سے ایک ہے اور ۱۹ کی صبح کو انزیلی میں پہنچے۔ میں ملاحوں کو حکائیت بیان کرتے ہوئے کہ کس طرح بحیرہ خضر روسی سمندر بن گیا سنکر بہت خوش ہوا۔ جبکہ کوئی ایرانی جنگی جہاز نہیں چل سکتا اس ایرانی سمندر کی حکومت گلستان کے سنہ ۱۸۱۳ء کے عہد نامے کی رو سے روسیوں کو ملگئی۔ اور ملاح کہتے تھے جب شاہ کو بار بار مجبور کیا گیا اور وہ منظور کرنے کا بہانہ ڈہونڈتا تہا تو اس کے ایک درباری نے اوس کا ارادہ دیکھکر کہا کہ فارس کو بحیرہ خضر کی نمکین مٹی اور پانی سے بہت نقصان پہنچتا ہے جس سے زمین بنجر ہوتی جاتی ہے ۔

سمندر کے پانی سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور نہ کوئی اچھا کام نکلتا ہے اسپر شاہ نے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ بحیرہ خضر کا تمام پانی نمکین ہے جب اوس کو اس بات کا یقین دلایا گیا تو اُس نے کہا یہ سب روسیوں کو دیدیا جاوے ۔

ہم نے انزیلی میں ایک صورت سے ترقی دیکھی۔ وہاں ایک ہوٹل بھی تھا جسکا مالک ایک یونانی تہا اور جسمیں کافی جگہ تھی۔ ناشتہ کے واسطے ہمیں ایک نہائیت عمدہ سامن مچھلی دی گئی جس سے مجھے یاد آگیا کہ اس بات کی بابت شک ہے کہ آیا اصلی سامن مچھلی کبھی خشکی سے گھرے ہوئے سمندر میں پائی جاتی ہے یا نہیں۔ بحیرہ خضر کی سامن نہائیت عمدہ اور اصلی ہوتی ہے اوس کے عادات بالکل سمندر کی مچھلی کے سے ہیں صرف ایک قسم کا فرق ہے کہ یہ مکھی یا چارے کی طرف دیکھتی یا چھوتی تک نہیں خواہ کسی شکل میں کیوں نہو۔ اس واسطے کانٹے سے شکار نہیں کیا جا سکتی۔ جیسے مچھلی ندیوں کے پانی میں جہاں سامن مچھلیاں رہتی جاتی ہیں فوراً مکھی کو کہا لیتی اور نہائیت عمدہ شکار کا موقع دیتی ہیں۔ مگر چالاک سے چالاک ماہی گیروں کی تمام کوششیں سامن کے بارے میں ہمیشہ ناکام رہی ہیں۔ یہ مچھلی عموماً جال

سے پکڑی جاتی ہیں۔ اور بعض برف میں باندھکر طہران کو پہنچی جاتی ہیں۔ جو
تازہ نہیں بکتی اوسے نمک لگا کر خوب تجارت کیجاتی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے
کہ اس نمکین بحیرہ میں جو کہ سمندر کی سطح سے ۸۴ فیٹ نیچا ہے۔ سامن مچھلی کے
پائے جانے کی یہ وجہ ہے کہ پیشتر یہ بحیرہ سمندر سے ملا ہوا تھا۔ مگر کسی زمانہ
میں جسکی تاریخ آجکل موجود نہیں ہے زمین کے ایک حصے کے اوپر کو اٹھنے کی
وجہ سے وہ تعلق منقطع ہو گیا۔

جب ہم ناشتہ کر چکے تو ہمارے پاس ایک افسر آیا جو کہ ایران میں ہمارے
واسطے بالکل نیا تھا۔ اوس کو پروانہ راہداری کے دینے اور ملاحظہ کرنے کا اختیار
تھا۔ وہ ان لوگوں کو پاسپورٹ دیتا ہے جو اپنے ساتھ نہ لائے ہوں جب ان
باتوں کو مدنظر رکھا جائے جو کہ ایران کی ہمسایہ سلطنت میں رائج ہیں اور جہاز
کے مسافروں کے ہجوم کا خیال کیا جاوے جو کہ آتے جاتے رہتے ہیں تو معلوم
ہوگا کہ اس کام کے اختیار کرنے میں کوئی نقصان نہیں۔ زباندانی کی لیاقت
جو کہ اس عہدے کے واسطے ضروری ہے وہ صرف روسی زبان تک محدود ہے
اور جب اوس نے سنا کہ میں فارسی بول سکتا ہوں تو اس نے مجھ سے وہ باتیں
دریافت کیں۔ جن کو وہ انگریزی پاسپورٹ سے معلوم کرنے کا بہانہ کرتا تھا۔
اس نے اس دھوکے کا اقرار لیا جس کے پورا کرنے پر وہ مقرر کیا گیا تھا اور
ہم بغیر کسی زیادہ تفتیش کے آگے روانہ ہوئے۔ دن گرم تھا۔ مگر گرمی بہت تیز
نہیں تھی سمندری ہوا کی مدد سے کشتی کھاڑی میں سے گذر کر پیر بازار ندی
میں جا پہنچی۔ موسم خشک تھا ہم گاڑیوں میں بیٹھکر مبارک آباد کے راستے
رشت پہنچے۔ اس طرح کیچڑ کے ایک سمندر میں بھیگنے سے بچ گئے جیسا کہ بڑی
سڑک پر اکثر واقعہ ہوتا ہے۔ انزلی کی کھاڑی میں سب شکار جنگلی چڑیاں
اور مچھلی پکڑنے والے پرندے رہتے ہیں اور اتھلی جگہوں کے ساحل کے قریب
پایاب چلنے والے جانوروں میں سے بڑے بڑے ماہی خور اور لقلق بھی
یہ جگہہ اون کے واسطے بہشت ہے کیونکہ اس میں اونکو خوراک کے واسطے
مچھلیاں اور مینڈک کثرت سے ملجاتے ہیں۔

میرے ساتھیوں میں سے ایک نے اس پہاڑی میں ایک زخمی لقلق کو
پکڑنے کی کوشش کا قصہ بیان کیا۔ وہ معہ اوس کے ایک جنگلی بطخ کے
پیچھے جارہے تھے۔ اوس کے دوست نے ایک مضبوط لقلق کو پکڑنا چاہا
جوکہ دو متضاد یعنے سیاہ اور سفید رنگوں کے پروں کی وجہہ سے نہایت
شاندار معلوم ہوتی تھی۔ اوس نے بندوق سے اوسے زخمی کیا اور اوس کا
ایرانی نوکر اوس کو بچانے کے خیال سے چھری ہاتھ میں لے کر اوسے ذبح
کرنے کے لئے دوڑا۔ تاکہ وہ ایک مسلمان کے کھانے کے قابل ہو جائے۔
پرندہ پکڑے جانے پر اپنے قابض کے ہاتھوں میں بہت تڑپا اور اپنی لمبی چونچ
کو جلدی سے کھولکر اتفاقاً آدمی کے سر کو اپنی چونچ کی شاخوں میں پکڑ لیا
لمبی چونچ کے تیز کناروں نے اوس کے رخساروں کو زخمی کر دیا وہ آدمی
درد اور اس خوف کی وجہہ سے کہ یہ تو مجھے ذبح کئے دیتا ہے چیخ اٹھا۔ اوسکا
مالک اوسکی مدد کو پہنچ گیا۔ اور پرندے کی چونچ کو زور سے کھولکر اس
کے سر کو چھڑایا۔ لیکن وہ اپنے غش کھاتے ہوئے ملازم کو سنبھالنے میں
اسقدر مشغول ہو گیا۔ کہ زخمی لقلق موقع پاکر جلدی سے صحیح وسلامت
اپنی لمبی چونچ کھولے ہوئے جیسی کہ اوس بے آواز پرند کی عادت ہے
اور ایک کامیابی کی شکل بنائے ہوئے بھاگا۔

انزلی شمالی ایران کے واسطے ہند اور چین کی چائے کی درآمد کا بندر
بنا جاتا ہے بہت تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ ایران بحیرہ خضر کے اردگرد کے ملکوں
اور روس ترکستان یعنی سمرقند تک کو چائے بمبئی سے خلیج فارس کے بندر
سے ہو کر گذرتی تھی۔

اب چونکہ روسی ریلوے کا کرایہ کم ہو گیا ہے اور تیل کے آگبوٹ ہیں جوکہ
باکو سے واپس آتے ہیں۔ مشرق اسباب کم ہوتا ہے اسوجہہ سے یہ تبدیلی
پیدا ہوگئی ہے۔ روسی ملک کی چائے کو باکو کیطرف منتقل کرنے کے لیئے
خاص انتظام کیا گیا ہے یہ چائے ایران کیطرف محصول میں خاص رعایتوں
کے ساتھ بھیجی جاتی ہے۔ یہی وجہہ ہے کہ اب رشت میں باکو کی نسبت ارزاں

ملتی ہے۔ کیونکہ باکو میں قیمت کے علاوہ بہت سا محصول ادا کرنا پڑتا ہے۔ ہندوستان کے باریک ململ جیسے کپڑے جن کی وسط ایشیا میں گرمیوں کے واسطے مانگ ہوتی ہے۔ اور جو پیشتر ایران کے راستے جاتے تھے۔ وہ بھی اب اس راستے ہیں جس سے چاہیے۔ اس طرح دخانی اور بحری راستے اب تک اونٹ کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

اور خریداروں کے گھروں کے سبب سے دوسرے راستے کو سب سے قریب کا اور سستا بنا رہے ہیں۔ چائے کی مثل روسی چقندر کی کھانڈ بھی انزیلی رشط میں باکو میں ارزاں ہے۔ کیونکہ آمد پر محصول بہت کم لیتی ہے۔ چائے اور شکر کا خرچ ایران میں پہلے سے بہت تھا۔ مگر اب روسی تجارت کی فروغ کی وجہ سے وہ اور بھی بڑھ جائے گا۔ فرانس کی چقندر کی کھانڈ۔ روسی کھانڈ کا تربذاند کی راہ سے تبریز پہنچکر مقابلہ کر رہی ہے۔ لیکن اگر طہران کے نواح میں چقندر کی کھانڈ بنانے کا نتیجہ جو ہو رہا ہے ٹھیک نکلا تو ایرانیوں کو اس مقابلہ سے بہت فائدہ پہنچے گا۔

روسی تجارت ایران میں عموماً ارمنوں کے ہاتھ میں ہے جنہیں سے بعض نے بہت سی دولت جمع کر لی ہے۔ یہ بات صرف مغرب میں مشہور ہے کہ یہودی زندگی کے ادنیٰ رستوں کے طے کرنے کی اعلیٰ قابلیت کا نمونہ ہے جن کے طے کرنے میں ان اعلیٰ خوبیوں کی ضرورت ہوتی ہے جو آدمی کو اپنے ہمسائے سے بہتر بنا دیں۔ مشرق میں یونانی اور ارمن ان سے بڑھے ہوئے ہیں اور ایک مثل مشہور ہے کہ ایک یونانی دو یہودیوں کے برابر ہے۔ اور ایک ارمنی دو یونانیوں کے برابر ہوتا ہے۔ یہ یہاں ذکر کیا جا سکتا ہے کہ یہودیوں کے واسطے ایران میں کوئی اچھا موقعہ نہیں ہے۔ اون کے واسطے وہ آسانیاں نہیں ہیں جو دولتمندی کیطرت لیجاتی ہیں وہ نہایت غریب پیشوں تک محدود ہیں۔

غالباً یہودیوں کے ساتھ یہ بدسلوکی اور نفرت کی وجہ سے ہے جو کہ ایک یہودی طبیب مسمی سعد الدولہ کی زیادتیوں کی وجہ سے لوگوں میں پیدا

ہوگئی۔ یہ شخص سنہ ۱۲۸۴ع میں بادشاہ ارغون کا وزیر ہوگیا تھا۔ اوس نے اپنی خوش اخلاقی اور دلپذیر گفتگو کی وجہہ سے ترقی پائی ہے۔ اور اپنی کمزور طبیعت بادشاہ پر ایسا قبضہ حاصل کر لیا تھا کہ اس کو تمام اعتبار اور نفعوں کی جگہوں سے مسلمانوں کو بے وقوف کرنے کی اجازت ملگئی تھی یہانتک کہ اوس نے حکم دیدیا کہ کوئی بادشاہ دربار شاہی میں نہ آئے۔ مشرقی عیسائی اس زمانہ میں بہ نسبت اب کے بہت اچھی حالت میں تھے۔ اور تعداد میں بھی بہت تھے۔ سعد اللہ نے اپنی قومی نفرت کو جو یہودیوں کو نصاریٰ سے ہوتی ہے اوس کینہ سے بدلدیا جو اس کو مسلمانوں سے تھا۔ لہذا اس نے عیسائیوں کو اون مسلمانوں کی جگہ بھرتی کردیا جنکو اس نے موقوف کر کے دربار سے نکالدیا تھا۔ ان زیادتیوں کے بدلہ میں اس کو موت کی سزا دیگئی کیونکہ جبوقت اسکا شاہی مربی مرگیا وہ قتل کردیا گیا۔

رشط کی ریشم کی تجارت جسکو اس بیماری سے بہت صدمہ پہنچا تھا جو بحیرہ خضر کے علاقوں کے کیڑوں سے شروع ہوگئی تھی۔ اور ایران میں بھی پھیل گئی تھی اب پھر چمک رہی ہے۔

خانہ وار بیجوں کے رواج دینے میں بڑی کامیابی ہوئی ہے اور ریشم کے خول کی برآمد بہت سرعت سے بڑھ رہی ہے اس پرانی دستکاری کے نئے شروع ہونے کی وجہہ سے شہتوتوں کی کاشت کو بہت ترقی ہوئی ہے۔ اور ایرانی زمین کی کاشت کے واسطے بہت مانگ ہے۔

اب بالقوم کے قریب کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر چاے کے بونے کی کوشش کیجا رہی ہے سابھی یہ معلوم نہیں کہ آخری کامیابی کی کیا صورت ہوگی۔ لیکن جو کچھ پہلے سے وہاں ہورہا ہے اوس سے رشط میں بھی ایسا ہی تجربہ کرنے کی ترغیب ہوتی ہے۔ ایرانی کیسپین علاقوں میں جہاں ہر طرح کی آب وہوا ملسکتی ہے پہاڑیوں کے درختوں سے ڈھکے ہوئے نشیب چاے کی کاشت کے واسطے نہایت عمدہ معلوم ہوتے ہیں۔ کاسوین کی جھکڑوں کی سڑک جسے ایک روسی کمپنی بنا رہی ہے ایک ایسے ہی زرخیز حصے میں سے ہوکر

گذریگی۔ اور یہ بہت سے دولت کے قدرتی ذرائع کیطرف توجہ مبذول کرینگی۔ مدد دیگی۔ جن کی طرف ابھی تک بالکل خیال تک نہیں کیا گیا۔

چونکہ ہم ایران کے پرانے سیاح تھے۔ ہمیں فوراً یاد آگیا کہ ہم پھر اوس زمین میں پہنچ گئے ہیں جہاں کی گفتگو پرتکلف ہوتی ہے اور مبالغہ آمیز فقرہ (چشم) سے خطاب کیا جاتا ہے۔ یہ ذلیل فقرہ ہمارے ہاں ڈرامے میں رائج ہونے کی وجہہ سے بہت مشہور ہے۔ لفظ چشم مخفف ہے بسر وچشم کا جس کے معنے ہیں میرے سر آنکھوں پر یعنے میری سر آنکھیں جاتی رہیں اگر میں تمہارا کام نہ کروں۔ ہم نے نیز ایک ایسا ہی مگر ذرا کم تکلف کا جواب "چرا" سنا تھا اس کے معنے ہیں کیوں اور استعمال ہوتا ہے بجائے کیوں نہیں کے یعنی میں کیوں آپ کی تابعداری نہیں کرونگا یعنی کرونگا۔

ہم پھر کاسوین تک گئے یہ اس مذکورہ سڑک پر نصف فاصلہ پر واقعہ ہے۔ جو رشت سے طہران کو جاتی ہے۔ شروع کے چالیس میل تک نظارہ درختوں والی پہاڑیوں سے شاندار سبز لودوں اور صاف پانی کی بہتی ہوئی ندیوں کی وجہ سے بہت دل خوش کن تھا۔ چوکیاں اب بھی ویسی ہی تھیں۔ یعنے اون میں بہت کم ضروریات تھیں اور آرام ان میں اتنا کم تھا جتنا کہ کسی جیل میں ہونا ممکن ہے۔ جنرل پرنس کروپیٹکن اور اس کے ہمراہیوں کے واسطے کچھ ترقی ہوگئی تھی جو کہ طہران میں شہنشاہ نکولس ثانی کی تخت نشینی کی خبر دینے آیا تھا۔ لیکن اوس ترقی کو برقرار رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ سوائے ایک جگہ کے جسکا نام منزل نے طہران میں یہ افواہ تھی کہ روسی چھکڑوں کی سڑک کے بنانے کا کام جو کہ اسقدر خوب اچھی طرح ہورہا ہے جنرل کوروپیٹکن کے سینٹ پیٹرز میں جاکر زور دینے کی وجہ سے شروع کیا گیا تھا بیان کرتے ہیں کہ جب شاہ نے اوسے سفر کا حال پوچھا تو اس نے موقع پاکر کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ دار الخلافے کی سڑک ایسی خراب ہے۔ اس پر شاہ نے کہا کہ یہ آپ کے ہموطنوں کا قصور ہے جنہوں نے اسے اچھی طرح بنانے کا ٹھیکہ لیا تھا اور پھر اوسکو ایسا ہی چھوڑ دیا

اب ٹھیکے کی میعاد تک کوئی اور بھی اوس کو ٹھیک نہیں کر سکتا۔ روسی
اخباروں نے جن کو اس بات میں بڑی دلچسپی تھی یہ لکھنا شروع کیا کہ
شمالی ایران میں روسی تجارت کو فروغ دینے کے لیے خیرات کی ضرورت
نہیں ہے بلکہ اچھی سڑکوں کی ضرورت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سود جو کہ گورنمنٹ
غالباً سڑک کے سرمایہ پر دیگی وہ تجارتی خیرات میں صرف ہو جمع شدہ
چندہ ایک عمدہ سڑک کے لیئے کافی ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس
میں پلیوں کے واسطے کھڑے لشتان بنا دیئے جائیں تاکہ آئندہ
ریل بنانے میں آسانی ہو موجودہ چھکڑہ سڑک جو کہ کاسوین سے طہران
کو جاتی ہے ایک معمولی راستہ ہے جو کہ بلند زمین کے ایک ہموار قطعے پر خوب
سیدھا بنایا گیا ہے اور چھوٹی چھوٹی ندیوں پر کچھ پل بھی بنے ہوئے ہیں
۹۵ میل کا فاصلہ بڑے آرام سے تین گھوڑوں کی گاڑیوں میں چودہ سے اٹھارہ
گھنٹے میں طے ہو سکتا ہے۔ مٹی ایسی قسم کی ہے کہ یہ سڑک ایسی معلوم ہوتی
ہے جیسے ایک عمدہ موسم میں ایک عمدہ سڑک ہوتی ہے اور چونکہ ایک روسی
کمپنی نے اسے کرائے پر لے لیا ہے اسلیئے امید ہے کہ ایرانی چھکڑوں کو ٹریفک
کے لیئے اس میں اور بہت سی ترقی ہوگی۔ بعض ان میں سے پہلے بھی چلتے
ہیں۔ بحیرہ خضر کی روسی بندرگاہوں اور ایرانی دار الخلافے کے درمیان
آمد و رفت کا ذریعہ پورا ہونے پر وہ لوگ عملی طور پر اسطرف متوجہ ہو جائینگے
جنکو ایرانی معاملات میں کچھ دلچسپی ہے۔

بہت سے لوگ جن کی طبیعت فطرتی فسادی واقعہ ہوئی ہے ایسی باتوں
کے خلاف کارروائی کرنے کو ہر وقت تیار رہتے ہیں جنھیں اونکا مشورہ لیکر
اون کا اطمینان نہ کر دیا گیا ہو۔ اس روسی سڑک کیجہ رشتے سے بنیگی ایک
تبریز کے مجتہد مرزا جواد نامی لیے جو کہ تمباکو کی شورش میں کامیابی حاصل
کرنے کی وجہ سے اپنے آپکو ایک بڑا آدمی سمجھنے لگ گیا ہے۔ باعث
شورش عامہ بتلایا ہے۔ سنا ہے کہ یہ مولوی بہت دولتمند ہے اور اسکا
تبریز کی گلیوں کی کوٹھیوں اور تجارت میں اپنا ذاتی لالچ ہے۔ جب اسکو

دیکھا کہ یہ نئی سڑک تبریز کا بہت سا کاروبار کھینچ لیجائے گی۔ اوس نے رشط کے ملاؤں کو بھڑکانے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ تاکہ وہ مذہب کی بنا پر یوروپیوں سے شہر میں روز بروز پھیلتے جانے کا بدلہ لیں۔ اس کام میں جوش کا پیمانہ بہت ضعیف تھا۔ کیونکہ رشط کے ملاؤں کی مقامی ترقی میں ذاتی غرض تھی اسلئے فساد نہ اوٹھ سکا۔

ذاتی اور دنیاوی معاملات میں ملاؤں کے دخیل ہونے کے بارے میں جو خیال عامہ تھا اوس میں تبدیلی پیدا ہو رہی ہے۔ تمام لوگوں کے معاملات پر قابض ہونے کے دعوے کی بابت اب یہہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ دینیات کے طلبا کے جوش کا ایک پہلا اوبال ہے جو متعصب ملاؤں کے بھڑکانیوالی تعلیم ابھی فاتح ہو کر آتے ہیں۔ یہ ملا لوگ اپنی پرانی شان کے چلے جانے پر افسوس کرتے ہیں۔ اور آزادی کے خیالات کو پھیلتے ہوئے دیکھکر خوفزدہ ہوتے ہیں جو کہ آجکل ایران میں اپنا قدم جمائے ہوئے نظر آتے ہیں۔

سنہ ۱۸۹۱ء کی تمباکو کی شورش نے ملاؤں کو اپنا تسلط سنبھالنے کا موقعہ دیدیا جبکہ وہ فوراً ہاتھ میں لے خلقت کیطرف سے بہادر بنکر میدان میں آگئے۔ اور بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ جس مہم کی وجہہ سے یہ شورش پھیلی تھی وہ انگلستان کی طرف سے تھی۔ یہ خیال کیا گیا تھا کہ اس تمباکو کی ٹھیکے سے بہت نفع ہوگا۔ اور لوگ اوس کی بہت ہی قیمت دینے کو تیار ہیں جس کو وہ زندگی کی ضروریات میں سے سمجھتے ہیں۔ ملک کی حالت کا موازنہ کرنے سے بیشتر ہی ٹھیکے کے اختیارات کو جبراً لاگو کرنا شروع کر دیا۔ یہ تحریک کی گئی تھی کہ کمپنی پہلے اپنا عمل بہ آمدنی تک محدود رکھے۔ اور اس سے نفع بھی بہت ہوتا اور یہ کہ بعد میں طہران سے کام شروع کیا جائے۔ لوگوں کو یقین دلایا جائے کہ ٹھیکہ دار بہت اچھا تمباکو مہیا کریں گے اور قیمت بھی بہت بڑھا دینگے۔ کمپنی دعوی کرتی تھی کہ اون کے انتظام کا یہی نتیجہ ہوگا۔ لیکن ہر بات بہت اندازے پر سوچی گئی تھی۔ یہی بات فایدہ کی تھی بہت جلدی دولت کمانے کے خیال میں یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ ٹھیکے کے سب اختیارات پر

ابھی عملدرآمد کیا جائے۔
ایک بہت ناعاقبت اندیش حرکت سے آغاز کیا گیا۔ اس طریقے سے تلاشی
لینی شروع کی کہ لوگوں کو اپنے گھروں کی پردہ دری کا خوف ہوا جو کہ مسلمانوں
کی قوم میں ایک نہایت ہی خوفناک تجویز ہے۔
خریداروں فروخت کنندوں اور پینے والوں کے شکوک اور خطرات پر
ملاؤں نے جو کہ مذہبی فرقے کی حکام پر فوقیت ثابت کرنے کو ہر وقت تیار
رہتے ہیں خوب حاشیے چڑھائے۔ تب ایک اتنی بڑی سازش ہوئی کہ کبھی
ایسی کوئی معلوم نہیں۔ کربلا جو کہ شیعہ مسلمانوں کا سب سے زیادہ مقدس
تیرتھ ہے۔۔ وہاں کے مجتہد نے فتوے دیا کہ تمباکو پینا ناجائز ہے۔ اور
ہر مسلمان عورت مرد بچے کو اوس کے خریدنے یا بیچنے سے منع کر دیا۔ یہ
سازش بہت وسعت سے ہوئی۔ تقریبا دو لاکھ آدمی اسمیں شریک ہونگے
اور یہہ دیکھنے کو انتظام کیا گیا تھا کہ آیا کربلا کے فتوے پر عمل کیا جاتا ہے
یا نہیں۔ بڑے ہوشیار آدمی مشکوک چائے کی دوکانوں میں ملاؤں کے
اشارے پر گھس پڑتے اور حقوں کو ڈھونڈ کر توڑ ڈالتے۔ ان تفریح گاہوں
میں حقے بھی رکھے ہوئے تھے۔ جب شاہ طہران کے بازاروں میں سے گذرتا
تو چائے کی دوکانیں خالی نظر آتی تھیں اور بچوں پر سازش کا اثر معلوم
ہوتا تھا جیسا اوس کی رعیت کے لوگ بیٹھکر حقے اور چائے کی سادہ خوشی
میں مشغول رہتے تھے۔ یہ فتوے پردے دار گھروں میں بھی جا پہنچا۔ اور
زنانخانوں میں اسپر پورے طور سے عمل کیا جاتا تھا۔ یہ مناہی کا حکم
محلات شاہی میں بھی پہنچ گیا۔ اور بادشاہ کو معلوم ہو گیا کہ اوس کے
خلاف حکم نہیں چل سکتا۔ کہتے ہیں کہ ایک شہزادہ جو کہ تمباکو نہیں پیتا تھا
کبھی دفعہ اپنی ایک پیاری بیوی سے کہہ چکا کہ حقہ پینا کم کردو۔ لیکن اس کا
کچھہ اثر نہیں ہوا جب فتوی کی خبر پہنچی تو فورا چھوڑ دیا۔ شہزادے نے کہا
میری فہمائشوں کا تو کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور میرے جواہرات کے انعام کی
انکار کیا۔ مگر مولوی کے فتوے کو مان لیا۔ اور یہہ ایسی جگہ کا واقعہ ہے

جہاں تھوڑا عرصہ پیشتر ملاؤں کی کچھ حقیقت نہ سمجھی جاتی تھی۔
اب بعض بعض آدمی ایسے پائے جاتے ہیں جو ملاؤں کی مغرورانہ طاقت
اختیار کرنے پر غصہ کرتے ہیں اور اپنے آپکو ان کے منحوس قبضے سے چھوڑا
لیتے ہیں۔ فارس میں رائے اور تقریر کی ہمیشہ سے آزادی رہی ہے چھ سو
سال کا عرصہ ہوا عمر خیام اور حافظ دو ایرانی شاعروں نے اس آزادی
سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ان فسادی ملاؤں سے نفرت ظاہر کی۔
کچھ بہت عرصہ نہیں گذرا کہ ایک گدھے ہانکنے والا لڑکا کسی مولوی کو اپنے
گدھے پر سوار جاتا دیکھکر کہدیتا تھا "برو اخوند" بڑے حلوے مولوی یہہ
لوگ بہت خوش ہوتے تھے۔ برو فارسی لفظ ہے اس کے معنے ہیں بڑھے
چلو اور یہہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بھاری بوجھ سے لدے ہوئے گدھے
ہانکے جاتے ہیں۔ ایران کا گدھا ہانکنے والا بھی ایسا دلیر اور حاضر جواب ہوتا
ہے۔ جیسے مصر کا۔ کہتے ہیں کہ کسی اعلیٰ ایرانی افسر نے ایک لڑکے کو جسکے گدھوں
کی وجہ سے گاڑی بازار میں رک گئی تھی کہا "او گدھے آگے سے ہٹ جاؤ"
او گدھوں کو ہانکنے والے لڑکے نے فوراً جواب دیا "تم خود گدھے ہو اگرچہ
آدمیوں کو ہانکتے ہو"۔

ایران کی تمباکو کی سازش کے بیان کو پورا کرنے کے طور پر میں اتنا
اور کہہ سکتا ہوں کہ اگر کمپنی والے سوداگروں کے طور پر کام کرتے تو چونکہ انکے
پاس نقد روپیہ بہت تھا۔ اسلئے تمباکو کی کاشت کے مرکزوں میں اگر
آغاز کیا جاتا تو وہاں تمباکو پیدا کرنے والے کسانوں پر بہت اچھا اثر پڑتا
وہ نقد ادائگی کے فائدوں کو بہت پسند کرتے اور اس انتظام کے برہم
ہو جانے پر بہت افسوس کرتے اور حکام کو فوراً محاصل کے وصول ہو جانے
سے بہت فائدہ تھا۔ لیکن جب اجارے کے معنے سمجھے تو چونکہ یہہ لفظ ایران
میں بالکل معلوم نہیں تھا وہ بہت ڈرے اور جو لوگ کچھ روپیہ رکھتے
تھے انہوں نے اجارے کو عمل میں لانے سے پیشتر تمباکو مہیا کرنے میں
لگا دیا۔ غریب لوگ سمجھے کہ اب قیمت بڑھے گی اسلئے انہوں نے بڑی

خوشی سے ملاؤں کو پیارے تمباکو کی ڈراؤنی مصیبت سے چھوڑانے والے سمجھکر اون کی پیروی کی ۔"

ایران پر قومی قرضہ صرف وہ ہے جو اُس اجارے کو واپس لینے اور اخراجات کے ادا کرنے میں جو کہ اس میں ہوئے تھے صرف کرنے کے واسطے لیا گیا تھا ۔ لیکن باہر کی چیزوں کو گورنمنٹ کیطرف سے بیچا جانا (جو کہ اجارے کا ایک حصہ تھا) تقریباً قرضہ کیلئے کافی معاوضہ تھا ۔ قسطنطنیہ کی تمباکو کی سوسائٹی کو جسنے تمباکو خرید کر باہر بھیجنے کا ٹھیکہ لیا تھا ۔ ایک اور تکلیف کا سامنا ہے جو اسکو ایک ایرانی انجمن کی وجہہ سے ہوئی ہے جو کاشتکاروں سے خرید کر اجنبی ایجنٹوں کے پاس بیچینگے ۔ کہتے ہیں کہ ایک بڑے مشہور مولوی کی اس میں کچھہ غرض تھی ۔ یہ کام اون اصولوں کے بالکل خلاف تھا جنپر پہلا اجارہ بنایا گیا تھا جسکو ملاؤں نے ناجائز بتایا تھا ۔ آزادانہ تجارت میں دخل دینے کا دستور موجود تھا ۔ اس لئے جونہی قسطنطنیہ کی کمپنی نے ٹھیکہ لیا تو ایک جھگڑا پیدا ہوگیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک نئی دستاویز پر دستخط ہوگئے جسمیں ایک یہ شرط تھی کہ اگر ایرانی تمباکو اجارہ کسی صورت میں پھر کبھی قائم ہو تو فرانسیسی رعایا کو سب سے پہلے موقعہ دیا جائے ۔

بڑے بڑے ملاؤں نے تمباکو کے اجارے کا فیصلہ کرنے کے بعد ایران میں تمام اجنبی حملوں کو روکنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے انگریزی بینک کے خلاف فتوی دیا جو کہ بڑے آرام سے اپنا کام کر رہا تھا ۔ اور دوسروں کے کام سے اوس کو کچھہ تعلق نہیں تھا ۔ لیکن شاہ نے اونکو اچھی طرح سمجھا دیا کہ اب تم کو زیادہ باتیں بنانے کا موقعہ نہیں دیا جاویگا ۔ اب زیادہ تنگ مت کرو ۔ تب انہوں نے تمام لوگ پھر ایک طاہر نشان کے ذریعے سے اپنی حکومت کا سکہ بیٹھانے کی کوشش کی اور فتوے دیا کہ ڈاڑہی منڈانا منع ہے مسلمانوں کے واسطے ڈاڑہی رکھنا نہائت ضروری ہے ۔ تب وہ مقابلے کے واسطے باقاعدہ گروہ بنانے کی کوشش کرنے لگے اور حجاموں کو

دھمکایا کہ اگر تم باز نہ آؤ گے تو تمہاری دوکانیں برباد کر دی جائینگی ۔ اس
وقت ایک یورپی کونسل جب شاہ سے ملنے گیا تو شاہ نے اپنی عادت
کے موافق اوس سے دریافت کیا کہ تمہارے یورپی محلے کی کیا خبریں ہیں
اس نے کہا کہ لوگ ملاؤں کے فتوے کی وجہ سے بہت بے قرار ہیں شاہ
نے اپنی منڈھی ہوئی ٹھوڑی پر ہاتھ پھیر کر ایک مذاقیہ طور سے کہا ۔ دیکھو
میں ڈاڑھی منڈواتا ہوں اونہیں بکنے دو وہ کچھہ نہیں کر سکتے ۔

یہ خیال کرنا غلطی ہے کہ لوگوں کے دلوں سے ترقی کی خواہشیں
معدوم ہو چکیں اور اونکا مذہب اون کی خواہشوں کو دبائے ہوئے ہے
یہ سچ نہیں ۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے ملا ترقی اور تعلیم کے مانع ہیں
ایک مولوی نے تعلیم کے بارے میں لوگوں کی بابت کہا کہ وہ خود اپنے
واسطے قرآن شریف پڑھنے لگ جائیں گے ۔ تو پھر ہمارے واسطے باقی کیا
رہجائے گا ۔ ملک مجموعی حالت میں آہستہ آہستہ ترقی کر رہا ہے ۔ مگر ایک جگہ
پر ساکن نہیں ہے اور نہ پیچھے ہٹ رہا ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے
سنہ ۱۹۰۵ء سے سنہ ۱۹۰۶ء تک کی ملاؤں کی سازشوں نے ایک بے آرامی سی
پیدا کر دی تھی ۔ ناخوشی کے خیالات کو پھیلانے کے واسطے تمام تکالیف
عامہ سے بہت فائدہ اٹھایا گیا ۔ فسادی ملا بازاروں میں پرے باندھکر
چلتے تھے اور لوگوں کو گورنمنٹ کے خلاف بھڑکاتے تھے ۔

یہ فسادی اسقدر زور آور گستاخی سے بولتے تھے کہ اپنے مذہبی
رہبروں کو غصہ آگیا جو کہ اعلیٰ درجہ کے تعلیمیافتہ اور امن پسند لوگ
تھے اور اس فساد کی انجمن میں شامل نہیں ہوئے تھے ۔ یہ حالت دیکھکر
یہ سنجیدہ دل لوگ ان خود منتخب رہبروں کی تردید کرنے پر آمادہ ہو گئے
جب ظاہرا طور پر لڑائی نزدیک ہونے لگی تو یہانتک نوبت پہنچی کہ بعض لوگ
کہنے لگے آئندہ یہ ملا لوگ پھر حکومت کرنے لگ جائینگے ۔ خانہ بدوش
لوگ نہ صرف ملاؤں کی حکومت منظور کرنے سے انکار کرتے رہتے تھے بلکہ
وہ مقابلہ کرنے کو بھی تیار تھے ۔ اگر دنیاوی امور پر دینیات کو حاکم بنانے

کی کوشش کیجاتی۔ اور شاہ نے ان ایکدوسرے کے مخالف خیالات کا عقلمندی سے انتظام کرکے اپنی طاقت کو قایم کیا۔ ہوسکتا ہے کہ ملاؤں کو سمجھادیا گیا ہو کہ جیسے ایک قاضی القضات نے نادر شاہ کے سامنے کہڑے ہوکر اسکو نصیحت کی تہی کہ آپ صرف دنیاوی امور تک اپنے اختیارات کو محدود رکہیں اور مذہب کی باتوں میں دخل ندیں۔

ناصر الدین شاہ ایران کے تخت پر دوسو ترپن بادشاہوں کے بعد بیٹھا تہا۔ وہ دس ستمبر ۱۸۴۸ء کو اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ اور اسلامی جنتری کے پچاس سال تک حکومت کرکے اپنی جبلی میں شامل ہوتا۔ اگر ایک بزدل قاتل اُس کو جمعہ کے دن چھٹی مئی ۱۸۹۶ء کو قتل نہ کردیتا۔ میرے خیال میں یہ سب سے زیادہ دور سلطنت تہا جسکی مثال تاریخ ایران میں نہیں مل سکتی۔ سوائے شاہ طہماسپ کے جو ۱۵۲۴ء میں ترپن سال تک حکومت کرکے مرا تہا۔ لیکن وہ تخت پر دس برس کی عمر میں بیٹھا تہا اور ناصر الدین شاہ سترہ برس کی عمر میں بیٹھا تہا۔ آخری عمر تک بادشاہ اپنی جسمانی اور روحانی قواے برقرار رہنے کی وجہہ سے مشہور تہا۔ اوس کی صحت بہت اچہی تہی اس میں شک نہیں کہ یہ اوس کی خانہ بدوشی اور سادہ طور پر زندگی بسر کرنے کی وجہہ سے تہی اوس کو شکار کا بہت شوق تہا۔ اور اپنا بہت سا وقت گہوڑے پر گذارتا تہا۔ ایران کے پہلے بادشاہوں کی طرح اُسکی بابت یہ اچہی طرح کہا جاسکتا ہے کہ شاہی تھیلے بادشاہ کی رکاب پر رکہے جاتے تہے۔ کیونکہ دربار کو کیمپ اور شکارگاہ میں اس کے ہمراہ جانا پڑتا تہا

اس طرح اوس کے درباری عیش و عشرت مین پڑنے سے بچ جاتے تھے۔ پہاڑون اور میدانون مین بڑے بڑے قطعے زمین کے شکار ہی جانورون کے واسطے رکھے جاتے تھے فرصت کے دن بطخون یا تیترون کو باز کے ذریعہ سے شکار کیا کرتا تھا اس بدوی زندگی نے مع شکار کی عادات کے اوسکو خوش طبع بے تکلف بنا دیا جسکی وجہ سے اوسکی رعایا اوس سے محبت کرتی تھی اور اوس پر اعتبار کرتی تھی۔ وہ بہت محنتی تھا اور ملکی اور اجنبی معاملات سے خوب واقف تھا اگر کوئی سازش محل مین ہوتی بھی تھی تو اوسے اوسکی کچھ پرواہ نہین تھی اور وہ اپنے وزیرونکو بہت کم تبدیل کرتا تھا اور اوسکے امرا کے دیر تک اپنے عہدون پر قائم رہنے کی وجہ سے لوگونکی سلامتی کے اون خیالات کو تقویت پہنچ گئی جو بادشاہ کی ذاتی مضبوطی نے پیدا کئے تھے

۱۸۸۹ء کے بعد ناصرالدین شاہ کی شکل مین بہت کم تبدیلی پیدا ہوئی تھی جبکہ وہ کی شکل تمام یورپ کو معلوم تھی اب بھی اوسمین وہ قدم کی چستی اوضاع و اطوار کی خوبی اور لباس کی عمدگی موجود تھی جو اوسوقت تھی اپنے دربار مین وہ ایک موثر تصویر تھا اور اس مین اور اسکے درباریون مین بین فرق تھا کیونکہ اون سب کے لباس مین کوئی نہ کوئی نقص پایا جاتا تھا جسکی وجہ سے وہ اپنے شاہی نمونے کا مقابلہ نہین کر سکتے تھے شائید یہ ایک طرح کی خوشامد ہو۔ تاکہ سب دیکھنے والون کی نظر پادشاہی پر پڑے غالبًا شاہ کی نسبت اور کوئی زیادہ اچھی طرح اس بات کو نہین جانتا تھا کہ ہر سال سلطنت کے علاقون کے انتظام کا ٹھیکہ دینا خزانے کے واسطے بھی مضر ہے اور لوگون کا بھی اس مین نقصان ہے لیکن اوسے یہ بھی معلوم تھا کہ تبدیلی یقینًا تدریجًا ہونی چاہئے کیونکہ پرانی رسمون اور یادگارون کی وجہ سے ایران مین تبدیلی فورًا نہین ہو سکتی۔ اوسنے تمام علاقون کے مرکزون مین تار گھر بنا کر اس نقص کو بہت کچھ دور کر دیا تھا کیونکہ اسطرح وہ اپنی رعیت کے بالکل قریب ہو گیا تھا یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ مظلوم کو تار جیسے ظاہر ذریعے سے اپنی شکایت بھیجنے پر آمادہ کرنا بہت مشکل ہے تاہم بعض اوقات تار سے یہ کام لیا جاتا ہے ؛

تار بھیجنے والے صاف صاف اپنا نام ظاہر کر دیتے ہیں اور بڑے صبر و سکون سے اسکے جواب کا انتظار کرتے ہیں۔

ایرانی ڈاک کا محکمہ ایک خصوصیت رکھتا ہے۔ یہ ایک پوشیدہ ایجنسی ہے جسکے ذریعہ شاہ کے پاس ایک آزادانہ اور قابل اعتبار رپورٹ تمام ملک کی پہنچ جاتی ہے۔ وہ محکمے جنکے افسر حکام کے چال و چلن کا حال بادشاہ دارالحکومت کو بھیجا کرتے تھے اب روزانہ تاروں کے انتظام سے بدل گیا ہے۔ تار کی تمام تقرریاں ایک افسر کرتا ہے جسے مخبر الدولہ کہتے ہیں۔ جو طاقت اس انتظام کے ذریعے سے استعمال کی جاتی ہے اوس کی ایک مثال میرے سامنے واقع ہوئی۔ ایکدفعہ ایک دور کے علاقے کا صوبیدار ایک رئیس پر خفا ہو گیا اور لالچ میں آکر ایک بے بنیاد قصور پر جرمانہ کر دیا اوس نے جرمانہ ادا نہ کیا تو اوس پر گردن کشی کا جرم لگایا گیا۔ اور لاٹھیوں اور قید کی بے رحم سزا دیگئی۔ تار بابو نے اگرچہ حاکم شاہ کا ایک قریبی رشتہ دار تھا۔ اس تمام واقعہ کی رپورٹ کر دی تار کے ذریعہ سے شاہ دور دراز جگہوں میں اپنی طاقت کا سکہ بٹھا سکتا تھا۔ کیونکہ وہ ایک صوبہ دار کو تار کے دوسرے سرے کے دفتر میں بلا لیا کرتا تھا اور اپنا حکم سنا دیا کرتا تھا اس موقعہ پر شاہ نے ذاتی تفتیش کے بعد قیدی کو رہا کرنے کا حکم دیا اور جب کچھ دنوں بعد اوسے معلوم ہوا کہ ایسا نہیں کیا گیا۔ تو تار بابو کو حکم ہوا کہ وہ تار کا فرمان ہاتھ میں لیکر قید خانے میں لیجائے اور اوس کی فوراً تعمیل کرائی جائے۔ بابو نے ایسا ہی کیا اور محافظوں نے فوراً قیدی کو چھوڑ دیا۔

علاقوں کو ٹھیکہ پر دینے کا انتظام لوگوں کی بہت ناراضگی کا باعث ہوتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ ناراضگی کچھ بے بنیاد سی معلوم ہوتی ہے شکایت کا اصلی سبب یہ ہے کہ معاملے کی کوئی مقررہ مقدار نہیں ہے۔ ہر گاؤں کو اپنی قیمت کا دسواں حصہ سرکار کو دینا پڑتا ہے۔ اور وصول کرنے سے پیشتر ایک سرکاری افسر موقعہ پر جاتا ہے اور ہر ایک خاندان کی حالت کو قلمبند کر لیتا ہے۔ بعد ازاں جسقدر زیادہ دینے کی لوگوں کو طاقت ہو یا وہ دینے پر صبر کریں تو سب حکام کے کام آتا ہے۔ کسان لوگ بہت امن پسند۔ کفایت شعار اور اطاعت پذیر ہوتے ہیں

مگر ایک حد ایسی ہے جس سے زیادہ وہ دبائے نہیں جا سکتے۔ اگر زیادہ کوشش کیجائے تو وہ دبانے والے کے درپئے ہو جاتے ہیں۔ اب اونکو معلوم ہو گیا ہے کہ اپنی تکالیف کے اظہار کی طاقت اون کے واسطے ایک مضبوط آڑ ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ مقامی کمیٹی محاصل سرکاری عشر کو دگنا کر کے وصول کرتی ہے اور تمام صوبیدار اور دیگر مقامی حکام کے پاس رہتا ہے۔ لیکن یہ سب گاؤں کی آمدنی کا ایک خمس بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ جمع کی عام جانچ تمام ملک کے کاشتکاروں کی ترقی سے پیشتر کیگئی تھی۔ ان دنوں پیداوار کی بہت کم مانگ تھی جو کہ آجکل باہر بھیجی جاتی ہے اور سونے کے بدلے میں فروخت کیجاتی ہے۔ اسلئے ملک کے موجودہ چاندی کے سکوں میں بہت سی قیمت ملتی ہے علاوہ صوبوں کے لگان کے اور مقامی مطالبات ہوتے ہیں۔ جن کی وجہ سے میزان کل میں دو یا تین فیصدی اضافہ ہو جاتا ہے بیشتر بے امنی اور بے اعتباری کی وجہ سے کاشتکاری اور گلہ بانی بہت کم کیجاتی تھی۔ مگر اب صاف ظاہر ہے کہ لوگوں کو اسبات کا علم ہے کہ وہ اپنی محنت کے پھل سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اسلئے وہ اپنی محنت کے دائرے کو وسیع کئے جاتے ہیں مجموعی طور پر یہہ کہا جا سکتا ہے کہ کسان اور مزدوری پیشہ لوگ ایران میں اچھی حالت میں ہیں اور دوسرے ملکوں کے اپنے ہم پیشہ لوگوں کا بخوبی مقابلہ کر سکتے ہیں۔

ایران کے سفر کے زمانہ میں مجھے دیہات میں بہت اچھے مسافر خانے ملے باہر کی ذلیل حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ مکانوں کے اندر بہت خراب جگہ ہوگی۔ مگر اصلی حالت کو دیکھکر دل بہت خوش ہوتا ہے مکان سادہ ہوتے ہیں۔ مگر نہایت عمدہ طرح سے فرش کئے ہوتے ہیں دیواروں کے ساتھ چٹائی یا نمدے کے ٹکڑے بیٹھنے والوں کی پشت کے واسطے ہوتے ہیں۔ جب میں شاہراہ سے باہر سفر کرتا تھا تو ہمیشہ وہیں کے مسافر خانوں کو تلاش کرتا تھا اور جاڑے کے موسم میں یہ نہایت ہی آرام دہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ اون میں کھلے چولہے ہوتے ہیں جو بغیر دھواں دینے کے کمروں کو گرم رکھتے ہیں اسطرح

مجھے لوگوں کی روزانہ زندگی کا موازنہ کرنیکا موقعہ ملتا رہتا تھا۔ اور میں یہ دیکھکر
بہت متعجب ہوا کہ اون کے اوضاع و اطوار پرانی شائستگی کے علائم سانچے
میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ مجھے یہاں مشرقی جوتوں کا اصل اصول معلوم کرنیکا بھی
موقعہ ملگیا جسکی بابت ایران اور ہند میں اکثر مباحثے ہوئے۔ میرا مطلب مکان
میں داخل ہونے سے پہلے جوتے اوتارنے کی رسم سے ہے۔ ہندوستان
میں اسے ماتحتی کا اظہار سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جب سرکار انگریزی کی حکومت
ہوئی ہے کسی یورپی نے اس رسم سے اتفاق نہیں کیا سوائے اون لوگوں
کے جنہوں نے ہندوستانی راجاؤں کی نوکری اختیار کی ہو۔ مجھے اس کی
ایک مثال یاد ہے۔ ایکدفعہ ایک ہائیلینڈ کے ایک رجمنٹ کے ایک بین بجانے
والے سارجنٹ سے ایک پنجابی سکھ سردار کے ہاں ایک بینڈ کو بین بجا سکھانے
کے لئے نوکر ہوا۔ چونکہ سردار نے ہائیلنڈ کے باجے کو پسند کر لیا تھا۔ دستاویز
میں جسمیں سارجنٹ کے فرائض۔ تنخواہ بھتہ وغیرہ کی مفصل فہرست تھی
سارجنٹ نے یہ بھی لکھوایا کہ کسی یورپی کے سامنے راجہ کے کمرے میں مجھے
جوتا اوتارنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسکی اصل یہ ہے کہ فرش خراب نہو جسپر گھر والے
بیٹھتے کھانا کھاتے اور سوتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ پہلے زمانہ میں چمڑے اور چٹائی کے فرش بچھائے
جاتے تھے۔ مگر جوں جوں وسط ایشیا میں دستکاریاں بڑھتی گئیں اور روئی
کا کام شروع ہوگیا تو خانہ بدوش لوگوں نے جنکی عورتوں اور بچوں کو
کاشتکاری کا کوئی کام نہیں آتا تھا۔ رنگین دریوں کے نمونے نکالے جنمیں
سے بعض آجتک بعض خاندانوں میں بطور اسرار اور جائداد کے جنکی نسبت
حفاظت کیجاتی ہے رکھے ہوئے ہیں۔ یہ دریاں۔ تب اون کی
دریں بن گئیں جنکو نمدے کے چوکھوٹوں میں رکھا جاتا تھا۔ جنپر
بیٹھتے سوتے اور کام کرتے تھے کھانا کھاتے وقت مرکز میں ایک
بچھایا جاتا ہے۔ جسپر برتن رکھے جاتے ہیں اور میرے خیال میں دری

ایسی سمجھی جاتی ہے جیسے پرانے زمانے میں یورپ میں ایک نہایت عمدہ پالش
شدہ میز سمجھا جاتا تھا۔ جبکہ کھانے کے بعد کپڑا اوڑھا کر ایک کونے میں رکھ
لیا جاتا تھا۔ اور موقعوں پر یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ خوبصورت دریان
روں کی تصویریں ہیں فرش پر جیسے ہماری دیواروں پر ہوتی ہیں۔ ان
پرانی دریوں میں سے بعض ایسی خوبصورت ہوتی ہیں کہ یورپی لوگوں نے انہیں
دیوار پر لٹکا رکھا ہے اس خیال سے کہ یہ ایسی اعلیٰ ہیں کہ پاؤں کے نیچے
نہیں آنی چاہئیں۔ تو ایرانی مکانوں میں کسان لوگ ہمیشہ اپنے جوتے
اندر کے دروازے میں اوتار دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی شکار کے بوٹ
پہنے ہوتا ہے تو وہ جوتا اوتارنے کی شرط کو چٹائی یا نمدے کے کنارے پر
دو زانو بیٹھ کر پورا کرتا ہے۔ تاکہ بوٹ کے تلوے سے فرش خراب نہ ہو۔
اس میں ادنےٰ و اعلیٰ کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ معاشرت میں سب برابر
ہیں۔ اسباب سے صرف اخلاق اور دوستانہ خیالات ظاہر ہوتے ہیں جیسے مغرب
میں ٹوپی اوتار لینے سے ظاہر ہوتا ہے مغربی سفیروں کو ایرانی دربار میں لانے
کے وقت ان کے بوٹ اوتروا کر سلیپر پہنوا دیئے جاتے ہیں یا وہ بوٹوں
کے اوپر سے باندھ دیئے جاتے تھے۔ مگر یہ بات ان اقوام کے شان کے خلاف
سمجھا جاتا تھا بعض وقت اس پر بہت اصرار کیا جاتا تھا اور بہت جھگڑے
ہوئے تھے اسباب کے یقین کرنے کی کافی وجہ ہے کہ ہر ایک سفیر کے
واسطے یہ دستور رنجش اور شکایت کا کافی سبب تھا۔ جب سنہ ۱۵۶۲ء میں
مسٹر جینکنسن ملکہ الزبتھ کی طرف سے سفیر ہو کر ایرانی بادشاہ کے دربار میں آیا
اس جوتے کے مسئلے نے بہت نازک شکل اختیار کی۔ اور جب شاہ کے
سلیپروں کا جوڑا لایا گیا جس کو پہن کر اسے ملاقات کرنے کو کہا گیا۔ تو کہا
جاتا ہے کہ شاہ کی اس عنایت کو اس نے ہتک سمجھا۔ ملاقات بغیر سلیپروں
کے ہوئی اور یہ دوستانہ ملاقات نہیں تھی۔

لیکن ایران کے دربار میں علاوہ جوتوں کی تکلیف کے ایک اور جھگڑا تھا
مغرب کے چست پاجامے اور موزے مشرق میں ناشائستہ سمجھے جاتے تھے۔ اور

خیال کیا جاتا ہے کہ اوپر سے رومی شلوار پہنا لی جاتی تھی۔ تاکہ شاہی ملاقات
کے وقت ٹانگیں چھپی رہیں۔ اس مشرقی خیال کے متعلق ایک واقعہ مسٹر ڈوگلس
فارتھ کے سفارتی مشن کو پیش آیا جبکہ سنہ ۱۸۷۳ء میں امیر کاشغر کیطرف
گیا تھا اور یہہ واقعہ یہاں بیان کرنے کے قابل ہے۔ مشن کا کمپ سارجنٹ
مسٹر رہنڈ سارجنٹ نمبر ۹۲ ہائیلنڈرز تھا۔ جب سفارت اور عملہ کا یارقند
میں وہاں کے صوبیدار نے استقبال کیا جو کہ سلطنت میں حکومت کے
لحاظ سے دوسرے درجہ پر تھا تو یہ خیال کیا گیا کہ چونکہ اوس کو اخلاق او
تکلفات کا بہت خیال ہے اسلئے ہمارے اخلاق شائستہ اور عام چال و
چلن کی بابت اوس کی رپورٹ پر بہت کچھ انحصار ہوگا۔ اس صوبہ دار کا
بہت چھوٹا سا دربار ہوتا تھا۔ ہم نے اوس کی لباس کی نمائش کی طور پر
ملاقات کی۔ سارجنٹ رہنڈ کلٹ کی وردی میں حاضر ہوا۔ اور اس کے
چہرے سے شرم و حیا ظاہر ہوتا تھا۔ صوبیدار محمد یونس بہت سخت خیال
کا آدمی تھا ظاہراً معلوم ہوتا تھا کہ اوس نے ہائلنڈ ہی کیطرف نہیں دیکھا
کیونکہ وہ ہمارے پیچھے کھڑا تھا۔ مگر ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارے چلنے کے بعد
اوس نے کہا کہ اوسکا لباس نامکمل معلوم ہوتا تھا۔ چند ہفتے بعد ہم کاشغر
پہنچکر جو کہ شمال میں دارالخلافہ ہے بادشاہ کے سامنے جانے کی تیاریاں
کر رہے تھے۔ تو مشہور اتالیق غازی جو کہ درباری رسومات کا اوستاد تھی
مقررہ وقت سے پہلے یکایک آپہنچا اور بڑی حکومت سے کہا کہ سارجنٹ
اگر ہمارے ساتھ جانا چاہتا ہے تو اچھی طرح لباس پہن لے۔ یہ کرتی ننگے
گھٹنوں کے ساتھ قابل اعتراض ہے۔ اور اتالیق کے دربار میں اس کی
برداشت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ایک قوم گال کا سا لمبا چغہ اور پہننا پڑا
ایرانی عورتوں کا لباس جبکہ وہ گھر پر پہنتی ہیں ہماری ہائیلنڈ کی کرتی
سے ملتا جلتا ہے۔

آخرکار جوتوں کے مسئلہ کا فیصلہ سنہ ۱۸۲۸ء کے عہدنامہ ترکمانچی سے
ہوا جس کو سب اجنبی سفیروں نے قبول کر لیا۔ اس میں یہ فیصلہ ہوا کہ

تاوقتیکہ جوتے نہ باندھ دیئے جائیں۔ مگر شاہ کے سامنے جانے سے پیشتر کھول دیئے جایا کریں اور اب بھی ہوتا ہے۔ ڈرگومینوں کی قوم ترکوں اور ایرانیوں کی نسبت پرانے خیالات کے زیادہ پابند ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے درباری اور مجلسی تمام رسوم کا اجارہ لے رکھا ہے تاکہ انکی بڑائی برقرار رہے۔ ایرانی زمانے کے ساتھ چلتے ہیں اور مغربی طریق ادب کو سمجھتے ہیں۔ تاہم میں نے وہاں کے ایک اعلیٰ درجہ کے آدمی سے سنا کہ ٹوپی اوتہا کر شاہ کو سلام کرنا یہ مسلمانوں کو برا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ نامناسب سمجھتے ہیں کہ مجلس میں سر ڈھکا رہے چنانچہ میں نے ایکدفعہ چند یورپی شریفوں کو دیکھا کہ وہ شاہ کے ایک وزیر کے ملاقات کے کمرے میں ٹوپی پہنے رہے لیکن جب اوس نے دیکھا کہ دوسرے جو ایرانی خیالات سے خوب واقف ہیں ٹوپیاں ہاتھ میں لیئے ہوئے ہیں تو اونہوں نے بھی اوتار لیں اون کا رہنما ایک ڈرگومن تھا۔ فریزر اپنی کتاب (پرشیا۔ یعنے فارسی) میں لکھتا ہے کہ جب شاہ عباس اعظم نے جیمس اول کے سفیر ڈادمور کاٹن کو اپنے ساتھ بلوایا تو اس نے اپنے مہمانوں کو خوش کرنے کے لیئے انگلستان کے شاہ کا جام صحت پیا۔ شہنشاہ کا نام سنکر سفیر اوٹھا اور اپنی ٹوپی اوتار لی۔ عباس ہنس پڑا اور عزت کے طور پر اپنی پگڑی اوتہا دی۔

اجارے کا طریقہ جو کہ ایران میں محصولات کے بارے میں برتا جاتا ہے گورنمنٹ کو بہت نقصان پہنچا رہا ہے۔ اگر براہ راست انتظام خود گورنمنٹ کرے جیسا کہ محکمہ تار میں ہے تو بہت اچھا نتیجہ ہوگا۔ موجودہ کوتہ اندیشی کے انتظام میں ٹھیکہ داروں کا نفع اس بات میں ہے کہ اصلی خبر کو چھپائیں اور غلط نقشے شائع کریں۔ تاکہ سالانہ بولی کم رہے۔ لیکن باوجود ان تمام چالوں کے بیچ خود بخود ظاہر ہو رہا ہے کہ ایران میں تجارت بڑھتی جاتی ہے

اب طہران میں معلوم ہوتا ہے کہ عملی طور سے مشورہ دیا جا رہا ہے کہ ایران میں ایک اچھی کمیٹی محصول کی بنالی جائے تاکہ باقاعدہ نوکری ایک اعلیٰ حاکم کے ماتحت محفوظ رہے اور محاصل میں بھی ترقی ہو۔ یہ کہا جا سکتا ہے

کہ تمام سوداگر اجارے کے انتظام سے فایدہ اُٹھاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی
چیزیں ایک خاص رقم دیکر بیجک کو معمولی طور پر معائنہ کرواکے گذار سکتے
ہیں۔ اس طریقہ سے وہ مقررہ قیمت سے کم میں حوالے لے لیتے ہیں جب حال
میں یہ افواہ ہوئی کہ کوئی اجنبی سلطنت محصول کا اجارہ لینے والی ہے تو
روسی اور ارمنی سوداگروں نے جو کہ شمال میں تجارت کرتے تھے۔ صاف صاف
کہدیا کہ ہم بندرگاہ کے افسروں کے ساتھہ اسباب کا انتظام کر لیا کرتے
ہیں کہ مقررہ پانچ فیصدی محصول سے کم دیکر درآمد برآمد گذار لیجایا کرتے
ہیں اور اسباب کا دعوے لے کیا کہ چونکہ بڑی مدت کا ہمارا دستور چلا آیا ہے
اسلئے ہمارا حق ہے اوہنوں نے بیان کیا کہ چونکہ ہماری تجارت اسی بنا پر
قایم ہو چکی ہے اسلئے ہم نہیں چاہتے کہ کوئی تبدیلی ہو اسمیں کوئی شک نہیں
کہ جنوب میں اور تمام سرحد پر یہی دستور جاری ہے۔
چونکہ اجاروں کے بہت سے حصے ہیں۔ اسلئے مقابلہ ہونے سے شرح
کم ہو جاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوداگر گراں راستے چھوڑ کر سستے راستے
جاتے ہیں۔ میں نے ایک سوداگر کی بابت سُنا ہے جسکی خط و کتابت جنوبی حصے
سے تہی کہ اوس نے کسی شمال کے ٹھیکہ دار سے اوس کی شرائط طلب کیں
تاکہ اودہر سے اپنا مال بھیجنے میں اوسے فایدہ ہو۔ ممنوع چیزوں کی حالت میں
اجارے کا انتظام ان چیزوں کے گذر جانے کی اجازت دیتا ہے جن کو گورنمنٹ
منع کرتی ہے۔ کیونکہ ٹھیکہ دار اور ان کے آدمی اپنی میعاد میں جہانتک ہو سکے
زیادہ روپیہ کمانا چاہتے ہیں۔ ایران جیسے ملک میں جہاں ہتھیار و نیز اس
واسطے فخر کیا جاتا ہے کہ اون کے استعمال کی عادت رہے۔ بریچ لوڈ بندوق
کی بہت مانگ رہتی ہے گورنمنٹ کو اوس کے روکنے کا خیال تہا ہے۔ اور اکثر
ممنوع چیزیں سوداگری کے مال میں ملی ہوئی پکڑی جاتی ہیں جس ملک میں
خانہ بدوش اور نیم خانہ بدوش قومیں آباد ہوں جنکو جنگ اور لوٹ مار کی
عادت ہو اور ہر فرد اپنی آمدنی میں سے تہوڑا تہوڑا کر کے بریچ لوڈر اور
کارتوس خریدنے کے واسطے بچا تا رہتا ہو۔ وہاں کی گورنمنٹ کی بھلائی اس

بات میں ہے کہ اجنبی ہتھیاروں کی تجارت کو بہت سختی سے روکے۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ جبتک محصولات کا موجودہ انتظام ہے یہ مانگ پوری ہوتی رہے گی۔ ہنری مارٹین کی رفل بہت پسند کیجاتی ہے۔ اور اس قسم کی بندوقیں خانہ بدوش اور دیہاتیوں کے پاس ہزاروں ہیں پہلے پہل یہ رفل روس اور روم کے جنگ میں اس ملک میں پہنچی تھیں اوس وقت یہ ترکی فوج میں تھیں اور ہزاروں کی تعداد میں یہ روسی سپاہیوں کے ہاتھ آئیں جنہوں نے انہیں ایرانی پھیری والوں کے ہاتھ بیچا جن کو فوج کے ساتھ جانے کی اجازت تھی۔ ایرانیوں نے اسوقت اپنی معمولی ہمت اور دلیری ظاہر کی۔ کیونکہ وہ روس کی اوس فوج کے ہمراہ گئے جو میدان کارزار میں مشغول تھی۔ اور لوٹی ہوئی بندوقیں جو کہ اونہوں نے روسی سپاہیوں سے خریدی تھیں سرحد کے پار ایران میں بھیجدیں اور وہاں سے بہت سی قیمت حاصل کی۔ نئی بندوقوں کے رواج پر ایک نہایت پر نفع تجارت کارتوسوں کی جاری ہو گئی۔ جنوب مغربی سرحد پر لوگوں کی پیٹیاں اور تسمے بھرے ہوئے دیکھ کر مجھے خیال آیا۔ کہ اب یہ کام اچھی طرح سے چلا ہوا ہے۔ جب وقت گذرتا گیا۔ اور تجارت ہوتی رہی تو یہ رفل جنوب میں بختیاری اور دیگر قبائل میں بھی جا پہنچی۔ اس کی ہر دلعزیزی کی وجہ سے ہنری مارٹین کی تجارت خلیج فارس کی راہ ہونے لگی۔ یہانتک کہ اب ایران میں مارٹین کہلاتی ہے۔ عام لوگ اس کو بہت پسند کرتے ہیں۔ سینگل بندوق کے قابض اور چلنے والے قاروں غرب قرقے میں بہت ہیں۔ جو بغداد کی راہ ترکی کے ذریعہ سے پہنچی۔ برچ لوڈنگ کے دو نالی وغیرہ کی بہت تجارت ہو رہی ہے اور اوس کو حاصل کرنے کی اسقدر خواہش ہے کہ سوشن کارتوس کی اب بہت مانگ ہے۔ جو کہ بار بار استعمال ہو سکتے ہیں۔

کاسوین میں ہم ہند یورپی (انڈو یوروپین) تار کو نہایت عمدہ طور پر آراستہ دیکھکر بہت خوش ہوئے جو کہ شمال سے آتا ہے اور طہران سے ہوتا ہوا ہندوستان کو جاتا ہے۔ یہ تار جو لوہے کے ملبے لمبے ستونوں پر رکھا ہے اور نہایت عجب

ملک پر پہیلا ہوا ہے۔ موجودہ شاہ کی مضبوطی سے جمی ہوئی حکومت کی شہادت دیتا ہے۔ اس لائین کو بنانیکے وقت بہت سے اوہام پیدا ہوئے تہے کہ لوگوں کی شرارتوں کی وجہہ سے بہت دیر تک اٹکاؤ رہیگا۔ اور شروع میں زمین کے کہودنے میں جو ناکامی ہوئی اوس نے انگلستان کے سوداگروں کو متفکر کر دیا۔ یہانتک کہ کچھہ پیام کا سلسلہ جاری رکہنے کے واسطے بحیرہ قلزم میں بحری تار ڈالا گیا۔ نئی خشکی تار کی لائن بنائی گئی جو کہ بحری تار کے برابر کام کرسکتی تہیں۔ اور ایرانی گورنمنٹ باوجود تمام نقصانوں کے جو اوس کو وقتاً فوقتاً اوٹہانے پڑے ثابت قدم رہی اسلیئے چند مقامی اغراض کی وجہہ سے اوس کو پوری پوری حفاظت ہوگئی۔ اب اس لائین سے تار کا جانا بہی ایسا ہی تیز اور یقینی ہے۔ جیسے بحری تار کے ذریعہ سے۔ میرے خیال میں اوسط رفتار خبروں کی لنڈن اور کلکتہ کے درمیان طہران کے راستہ سے ہونیکے راستہ کی نسبت زیادہ ہے۔ پچہلے سال ڈربے کے گہوڑ دوڑ کے نتیجے کی خبر ہند میں پہنچانے کے بارے میں کمیٹیوں میں ایک نہائت دلچسپ دوڑ ہوئی جسمیں ایک طرح سے بحری تار جیت گیا پیغام ایک ہی وقت میں انکیسم دایسیم سے بہیجے گئے جو طہران کی راہ گیا تہا وہ پانچ منٹ پہلے پہنچا۔ لیکن چونکہ صرف جیتنے والے گہوڑے کا نام ٹہیک طور پر دیا گیا تہا اور دوسرے اور تیسرے گہوڑے کے نام کراچی سے پوچہنے پڑے جو کہ سو میل کے فاصلہ پر ہے بحری تار نے تینوں نام ٹہیک دیئے اگر خبر پہنچانے کی جگہ کراچی رکہا جاتا تو اس تار کی دوڑ میں شاید یورپ کی لائین بحری لائین سے جیت جاتی۔

جب ہم کاسوین میں سے گذرے تو انگور کی فصل اکھٹی ہو رہی تھی۔ یہ
علاقہ اپنے وسیع انگور کی کھاریاں اور باغوں کے لئے بہت مشہور ہے
یہاں کے سنہری انگور بہت مشہور ہیں۔ سفید انگور بھی یہاں پیدا ہوتے
ہیں۔ ان دونوں قسموں کی شراب بنانے کے لئے بہت مانگ ہوتی ہے
اور اس شہر میں بنائی جاتی ہے۔ اگرچہ ملاؤں کی تعداد بہت ہے۔ بہت
انگور شراب بنانے کے لئے طہران میں بھی بھیجے جاتے ہیں۔ ایران تیز
شراب کی پرانی شہرت کو ویسے ہی قائم رکھے ہوئے ہے جیسے کہ چھ سو
برس مسیح سے قبل تھی جبکہ سیتھیا کے حملہ آوروں نے اسقدر شوق سے
پیا کہ سیتھیا والوں کی طرح پینا مثل مشہور ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ بیوقوف شراب
کے پیاسے سپاہی بار بار شراب کے مشکیزے مانگتے تھے۔ اور ہر بار یہی کہتے
تھے کہ پہلا بہت اچھا تھا۔ اٹھارہ صدی کے بعد حافظ جو کہ ایک خوشمزاج
شاعر تھا۔ شیراز کے شراب کی تعریف باواز بلند گاتا تھا۔ جو آجتک ایران
میں بہت مشہور ہے یہ شہرت اوس وقت بہت تھی جبکہ سائرس سے پہلے
غالباً جمشید کی مجلسوں میں استعمال کیجاتی تھی۔ جیسے برسیپولس کی بنا
ڈالی تھی۔ شاعر عمر خیام اوس جگہ کی تباہ شدہ نشان سے نتیجہ نکالتے ہوئے
کہتا ہے "کہتے ہیں جہاں جمشید جلسے کیا کرتا تھا اور شراب پیا کرتا تھا وہاں
اب شیر اور گرگٹ حکمرانی کرتے ہیں"
فردوسی جو کہ ایران کا تاریخی شاعر ہے لکھتا ہے کہ جب جمشید کو اپنے
سلطنت کے فرائض سے فرصت ملی اور علم طبیعات کے مسائل میں منہمک
تھا اوس وقت اوس نے شراب دریافت کی تھی۔ اور بہت سے مفید کام

اوس کیطرف منسوب کئے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دنوں کا نظام شمسی
بھی اوس نے نکالا تہا اور حکم دیا کہ پہلے دن جبتک سورج برج ارلیض میں
داخل ہو خوشی منائی جایا کرے اوس کو نوروز یا نئے سال کا دن کہتے
ہیں اور اب تک ایران میں اس روز بہت خوشی منائی جاتی ہے اس پہلے
زمانے کے عجیب و غریب تہوار نے جو کہ ایک اور ہی مذہب اور نظام کے
وقت میں قایم کیا گیا تہا۔ اسلام کے رواج پر فتح حاصل کر لی ہے اور آج
کل بہی ویسی خوشی اور سرور کے ساتہہ منایا جاتا ہے جیسے ایران کے قدیم
باشندے مناتے تہے۔

ملا اکبر کے نوشتوں کے مطابق جنکو سیلکم نے اپنی تواریخ ایران میں
نقل کیا ہے۔ جمشید کو انگوروں کا بہت شوق تہا۔ اوس نے ایکدفعہ کچہہ انگور
ایک برتن میں ڈلوا کر ایک محراب میں رکہوا دیئے جب برتن کہولا گیا تو وہ
سڑے ہوئے نکلے اور اونکا رس اسقدر کہٹا تہا کہ بادشاہ کو خیال ہوا
زہر ملا ہوگیا۔ اوس کے کمرے میں کچہہ اور بہی برتن تہے جنمیں رس پڑا
ہوا تہا اور اوپر زہر لکہا ہوا تہا۔ اتفاقاً اوس کی بیوی کو سخت درد سر
کا مرض ہو گیا۔ اور اس کی شدت کی وجہہ سے وہ موت کی خواہاں تہی
ایک برتن پر زہر لکہا ہوا دیکہکر وہ اوٹہا کر پی گئی تو شراب نے جو کہ رس
سے بنگئی تہی اوسکو بیہوش کر دیا اور جب اوس کو ہوش آیا تو آگے کی
نسبت آرام تہا اس علاج سے خوش ہو کر اوس نے اتنی دفعہ پیا کہ بادشاہ کا
تمام زہر ختم ہو گیا۔ اوسکو جلدی معلوم ہو گیا اور بیگم کو اس نے اقرار کرنے پر
مجبور کیا۔ کچہہ شراب تیار کیگئی اور بادشاہ کیے تمام دربار نے پی۔ جو معلوم
ہونے کے دن سے آجتک ایران میں زہر خوش کے نام سے مشہور ہے
بعد از آن شراب بنانا ایک باقاعدہ دستکاری ہو گئی اور شیراز سے جہاں
یہ پیدا ہوئی تہی تمام ملکوں میں پہیل گئی۔ آجتک شراب بنانے کا طریقہ وہی
ہے جو پرانے زمانہ میں تہا۔ یعنے انگوروں کا رس علی بابا کے مرتبانوں میں
جمع کیا جاتا ہے اور زمین میں دبا دیا جاتا ہے کہتے ہیں کہ اسکندر اعظم نے بہی

ایسے مقدم کی طرح پرسی پولس کے دالانوں میں دل کھول کر شراب پی خیال
کیا جاتا ہے کہ شراب کی حالت میں اس نے وہاں کے شاندار محلوں کو آگ
لگوا دی۔

ایک بیگم کے شراب کو دریافت کرنے کی حکایت کے تتمے کے طور پر ایک اور
بیگم کا قصہ بیان کیا جاتا ہے جس نے ایک بادشاہ سے شراب کی خرید و فروخت
کی مخالفت کے حکم کو منسوخ کروایا۔ جب شاہ حسین ۱۶۹۴ء میں تخت پر بیٹھا
تو اس نے اپنے مذہبی جوش میں آکر حکم دیا کہ شراب کی فروخت قطعی بند کر دی جائے
اور شاہی ذخیرے کی سب شراب گرا دی جائے۔ لیکن اوس کی دادی نے بیماری
کا بہانہ کر کے جس کا علاج شراب ہے اور کچھ نہ تھا نہ صرف اوس کے حکم کو منسوخ
کرا دیا۔ بلکہ اوس سے کہا کہ تھوڑی سی شراب میری خاطر پی لو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ
وہ مولوی صاحبان کے اثر سے باہر ہو گیا اور ایک بیوڑا بن گیا۔ بدقسمتی سے
اوس دادی کی رہنمائی سے شاہ حسین شراب اور عورتوں کی وجہ سے
تباہی میں پڑ گیا اور یہاں تک ذلیل و خوار ہوا کہ اوس نے اپنے ملک کو
بے رحم افغانوں کے حوالے کر دیا۔

ایران میں لکڑی کی بہت قلت ہے اور چوب، سنٹیاں اور چھڑیاں
سیدھی اور صاف نہیں ملتیں اسلئے انگور کی کاشت گہری کھائیوں میں
ہوتی ہے جن کے پہلو بہت اونچے اور ڈھلوان ہوتے ہیں جن کے ساتھ
ساتھ اور اوپر کو ٹہنے اور ٹہنیاں پھیلتی رہتی ہیں کھائیاں اس طریقے سے
بنائی جاتی ہیں کناروں اور ڈھلوانوں پر بہت اچھی طرح دھوپ پڑ سکتی
ہے یہ طریقہ میدانوں میں برتا جاتا ہے مگر پہاڑی زمین میں بہت ہوشیاری
سے کاٹ چھانٹ کی جاتی ہے اور اوپر تلے پتھر رکھ کر سہارا دیا جاتا ہے یہاں تک
ایک کافی مضبوط تنہ تیار ہو جاتا ہے جس کے سر سے پر گچھا سا ہوتا ہے
اور شاخیں ہوتی ہیں۔ پرسی پولس کے شمال و مغرب میں امام زادہ اسمعیل
کے ایک گاؤں میں میں ایک نہایت عمدہ انگور کی کھیتی کو دیکھ کر بہت متاثر
ہوا۔ تقریباً گاؤں کی تمام زمین میں انگور کے کھیت بنے ہوئے تھے جنکی

دیواریں نہایت عمدہ اور خوبصورت تھیں انگوروں سے معلوم ہوتا تھا کہ انگو
ایسے لوگوں نے کاشت کیا ہے جو انگور کی کاشت کے اصولوں سے
خوب واقف ہیں۔ اور وہ وہاں کی ہلکی زمین میں خوب پھیلتے ہوئے معلوم
ہوتے تھے۔ اُس زمین کے صاف کرنے میں جو قدرتاً پتھریلی تھی حیرت انگیز
جستی سے کام کیا گیا تھا۔ باغوں کی سی دیواریں بنانے سے یہ صاف ظاہر
تھا کہ بڑے صبر سے محنت کی گئی تھی۔ گاؤں کی تمام ہموار زمین انگور کے
کھیتوں سے بھری ہوئی تھی۔ اور وہ ڈھلوانوں پر پھیلے ہوئے تھے پہاڑ کو
بھی پہلو انگور کی زیادہ کاشت کے واسطے صاف کئے جا رہے تھے۔ وہاں
بہت سے انگور سکھائے جاتے ہیں میرے کشتگی رہبر نے جسکو میں شاہراہ
سے بہت دور ہونے کی وجہ سے ساتھ لیا تھا مجھ سے کہا کہ تازہ انگور
خراب بنانے کے کام آتے ہیں۔ مگر اس گاؤں میں نہیں چونکہ سربرآوردہ
باشندے جو کہ شیخ ہیں اور امام زادہ صاحب کے مقبرہ کے متولی ہیں جو اسی
گاؤں میں واقع ہے اسلئے یہاں انگوروں کی ممنوع منشی شئے بنانے کی
مخالفت ہے۔ گاؤں کی زمین مقبرے کے نام سے وقف ہے اور لگان
معاف ہے۔ اس تمام زمین میں انگور کی کاشت ہوتی ہے۔ شیراز میں انگور
کے کھیت بہت وسیع ہو گئے ہیں اور خولار کے انگور لونے کا خاص طور کے
اہتمام کیا جاتا ہے کیونکہ وہ شراب کے واسطے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ اس انگو
کا نام ایک گاؤں خولار کی وجہ سے مشہور ہو گیا ہے جو قصبے سے چند میل
کے فاصلے پر ہے۔ ایران میں سب سے اچھا انگور تبریز۔ اصفہان اور شیراز
میں پیدا ہوتا ہے۔ ان سب جگہوں میں سرخ سفید دونوں بنائے جاتے
ہیں۔ ہمدان کے سفید انگور سے تیز ساٹرن کی سی شراب بنتی ہے۔ ادراک
میں سے بعض میں میٹھی سی خوشبو ہوتی ہے اصفہان کے انگور پورٹ کے
سے ہوتے ہیں۔ سب سے اچھے شیراز کے انگور مڈیرا کے نئے انگوروں کے
سے ہوتے ہیں۔ یہ سب شرابیں تیزی میں اسٹریا کی شرابوں سے ملتی جلتی
ہیں۔ بنانے کے طریقے میں کچھ فرق ہے جسکی وجہ سے شراب میں ترشی

نہیں ہوتی۔ اور باہر نہیں لیجایا جا سکتا روسی سڑک تیار ہو جانے پر سوپ کا
کے پہلوار انگوروں کا بہت بڑا قطعہ ترقی کر جائے گا۔ اور بحیرہ خضر کے
کنارے پر در بند میں جو کامیابی حاصل ہوئی ہے اوس سے ایسی مہم کاسوین
کی اختیار کرنے کی بہی دلیری ہوگی ؟

چونکہ غیر مسلموں کو شراب بنانے کی قانون اور رواج دونوں ممانعت نہیں
کرتے اسلئے انگور کی کاشت بڑہتی جاتی ہے اور شراب زیادہ زیادہ مقدار
میں تیار ہوتی جاتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ چونکہ ایران سے باہر
بہت کم شراب جاتی ہے اسلئے غیر مسلم یہ سب کو سب ختم نہیں کر سکتے حقیقت
یہ ہے کہ قانون جسکی رو سے مسلمانوں کو شراب خواری کی ممانعت ہے نہ در
سے نافذ نہیں ہے۔ البتہ وہ سب کے سب اس سے بچے ہوئے نہیں ہیں
اور خوشگوار زہر جیسا کہ ملا اکبر نے اس کو لکہا ہے تمام حالتوں بیماریوں اور
شکایتوں کے لئے خواہ وہ جسموں کی ہوں۔ خیالی یا حقیقی ہوں ایک نہایت
آسان علاج خیال کیا جاتا ہے۔ اون کی بابت مشہور ہے کہ جب کبہی وہ ایکدفعہ
مذہبی قانون توڑتے ہیں تو خوب اچھی طرح پیتے ہیں۔ کیونکہ اونمیں ایک مثل
ہے کہ ایک گلاس میں اتنا ہی گناہ ہے جتنا ایک مٹکے میں۔ ایران کے لوگ کبہی
اپنے سیپٹک فاتحین کے موافق نہیں چلے وہ اسلام کے ظاہرا اعمال کی بہت
عزت کرتے ہیں۔ بڑی نیک نیتی سے پرہیزگاری کے اعمال کرتے ہیں مذہب
اور سخاوت کے کام بہت اچھی طرح سے کرتے ہیں۔ لیکن وہ ہمیشہ آزاد فلسفیانہ
صوفیوں کے اوہام اور خیالات میں منہمک رہے ہیں سخت اور خشک زندگی
کے احکام کی پابندی نہ کرنیکی وجہہ سے مشہور ہیں ؟

جب ہم ماہ ستمبر میں کاسوین کے میدانوں میں سے طہران کو گئے تو موسم
بہت عمدہ تھا۔ شروع جاڑے کا موسم فارس کے شمال میں نہایت عمدہ موسم
ہوتا ہے۔ تقریبًا موسم بہار کا سا۔ اور در اصل اوسی کہتے ہیں دوسرا موسم بہار میں
ان دنوں منظر اگرچہ سبزی سے بالکل خالی ہوتا ہے۔ مگر روس میں ایک خاص
قسم کی خوبصورتی ہوتی ہے۔ ہلکے ہلکے رنگوں کی وجہہ سے اور پہاڑیوں پر گرد

کا خاص اثر ہونے کی وجہہ صبح اور شام میں حیرت انگیز نزاکت ہوتی ہے طہران
کے قریب کے منظر میں سب سے زیادہ نمایاں ہر چیز کا قدیم پہاڑی مونٹ
ڈیمونڈ تقریباً چالیس میل شمال و مشرق میں واقع ہے جو کہ سمندر کی سطح سے
۱۹۴۰۰ فیٹ اونچی ہے۔ یہ نہایت دیر سرد اور صاف نیلے آسمان کے نیچے
کھڑی تھی۔ اوس کی سفید شکل چیز نئی گری ہوئی برف کی ایک تہ جمی ہوئی
تھی۔ بہت بھلی معلوم ہوتی تھی اور چونکہ اوس وقت اوس پر وہ بادل کا شامیانہ
نہیں تھا جو ہمیشہ چھایا رہتا ہے اسلئے بہت ہی صاف نظر آتی تھی۔ شام کے
وقت یہ برفی چوٹی بہت عمدہ معلوم ہوتی تھی سورج کی روشنی کی وجہہ سے
جو اگرچہ ہماری نظر سے غائب ہو چکا تھا۔ مگر اوس پرانے آتش فشاں پر چمک رہا
تھا۔ یہ پہاڑی ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے ایک آتش فشاں پہاڑ گرمی سے
سفید ہو گیا ہو۔

ڈیماوند مدت سے بجھا ہوا ہے۔ لیکن سنہ ۱۸۹۱ء و سنہ ۱۸۹۲ء و سنہ ۱۸۹۵ء کی زلزلوں
سے جو استر آباد اور کوچان میں جو مشرق کیطرف آباد ہیں اور خلخال میں جو
شمال و مغرب کیطرف آباد ہیں آئے تھے ظاہر ہوتا ہے کہ اوس کے نیچے کی آگ
ابھی تک نہیں بجھی۔ آخری زلزلے کا مقام افشر کے پرانے آتش فشاں طبقے
سے شمال و مشرق کیطرف سو میل کے فاصلے پر واقع ہے افشر اپنے وسیع لاوے کے
مخروطات کے کھنڈرات کے لئے مشہور ہے جو کسی زمانہ گذشتہ میں بہت سا لاوا نیچے
بہنے سے بن گئے تھے۔ جن کو ایک طاقتور اوبال نے توڑ پھوڑ کر ٹکڑے کر کے پھینک
دیا۔ جبکہ لاوا ابلا اور ان کے پہلوؤں کو توڑا یہاں ایک تخت سلیمان ہے جو کہ
بہت پرانے زمانے کا ایک ویران قلعہ ہے جو کہ مقامی قصے کے مطابق بادشاہ
سلیمان کا شاہی محل تھا جسمیں اوس کی شہزادی بلقیس رہتی تھی۔ اوس کا
موسم سرما کا تخت بھی ایک بلند پہاڑی پر دکھایا جاتا ہے۔ ان کھنڈرات میں
ایک تیز چشمہ تیز پانی کا بہتا ہے جو کہ ایک سو ستر فیٹ گہرا ہے۔ جب سنہ ۱۸۹۲ء میں
میں نے اسے دیکھا تو اوس کی حرارت باسٹھ ۶۲ درجے پر تھی اوس کے قریب
زندان سلیمان ہے۔ جو کہ ایک خشک چشمہ ہے اور ۲۵۰ فیٹ گہرا ہے۔ یہ ایک

لاوے کے مخروط کیطرح ۴۰۰۰ فیٹ اونچا معلوم ہوتا ہے اور میدان اوپر اٹھا ہوا بڑا شاندار معلوم ہوتا ہے۔ مرحوم سر ہنری رالنسن نے بھی اس ضلع کو دیکھا ہے اور یہاں کا حال بیان کیا ہے۔ اوسکا ایک اور بیان تھیوڈور بنٹ نے بھی لکھا ہے جو مع مسز بنٹ کے سنہ ۱۸۹۰ء میں وہاں گیا تھا۔

افشر کا آتش فشاں ضلع مدت سے پارے کے واسطے مشہور ہے جو کم بلکہ بھی کبھی ملجاتا ہے۔ تقریباً آٹھ صدی کا زمانہ ہوا جب عرب کے کان کنوں نے پارے کی کان کی تلاش میں مدت تک کوشش کی جو یقیناً وہاں پوشیدہ ہے اونکا وسیع کام جو انہوں نے پہاڑی کے تمام پہلو کو کھود ڈالنے میں کیا ظاہر کرتا ہے کہ اون کے پاس بہت سے مزدور تھے۔ وہاں ابتک شنگرف کے نشانات ہیں ایرانی انجمن کان کنان نے سنہ ۹۲-۱۸۹۱ء میں اسی جگہ پر کام کرنا شروع کیا۔ لیکن بہت سے گہرے گڑھے کھود ڈالنے اور پہاڑی کے اندر کی طرف سرنگیں لگانے کے بعد اونہوں نے اپنے متقدم عربوں کی طرح جس چیز کو انہوں نے یقینی علامات سے پہاڑی کی جڑ تک معلوم کیا اوس کو پالینے سے مایوس ہو کر کام چھوڑ دیا شنگرف کی کانوں کی جگہ سے چند میل نیچے پرانے سونا دھونے کے کارخانے ہیں۔ اور تیس میل کے اندر ہی ایک بہت بڑی نیلے تھوتھے کی کان ہے۔

طہران شائستگی کی بہت سی باتوں سے ترقی کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے اچھی قسم کے گھر نئے بن رہے ہیں۔ سڑکوں کیطرف اب زیادہ توجہ کیجاتی ہے۔ اور گاڑیوں کی تعداد بھی بڑھتی جاتی ہے۔ وزیر اعظم کا نیا مکان جو کہ انگلستان کے سفارتخانے کے قریب ہے۔ خوبصورت باغوں میں واقع ہے۔ باغ چھوٹی چھوٹی جھیلوں اور چبوتروں سے مزین ہیں۔ چبوتروں پر آبشاروں کے واسطے ڈھلوان بنے ہوئے ہیں۔ قصبے کے اور باغوں کی طرح۔ ان میں بھی خوش الحان ہزار داستان آتی ہیں۔ اب تحریک کیگئی ہے کہ قصبے کے قریب کی زمین گھیر کر ایک پارک لوگوں کے واسطے بنائی جائے۔

یہ ایرانیوں جیسے شائستہ طبیعت کے لوگوں کے واسطے گرمیوں کے موسم میں نہایت ہی عمدہ تفریحگاہ ان کی خوشی یہ ہے کہ سبز گھاس اور پودے ہوں

اور بہتے ہوئے پانی کی ٹھنڈی ٹھنڈی آواز ہوتی ۱۹۴۲ء کے سخت ہیضے نے
یہ ثابت کر دیا کہ او سوقت کے بڑے حفظان صحت کے انتظام میں اصلاح
کی ضرورت تھی۔ اصلاح شروع ہوگئی ہے ہر روز بازاروں میں جھاڑو
دیجاتی ہے اور کوڑا کرکٹ اوٹھا دیا جاتا ہے۔ لیکن قصبے کے واسطے ایک
بہتر اور بڑے پانی کے ذخیرے کے انتظام کی ضرورت ہے کیونکہ شہر
اب بڑھتا جاتا ہے جن لوگوں کے پاس خرچ کرنے کو روپیہ پیسہ ہے وہ روز بروز
دارالخلافے کیطرف کھینچے چلے آتے ہیں جو لوگ پہلے قصبوں میں گھر بنانے
پر شاکر تھے اب طہران میں مکانات تعمیر کرا رہے ہیں۔

اعلےٰ درجہ کے گھروں کے ساتھ باغ ہوتے ہیں۔ اور بہت سے درخت
ہوتے ہیں۔ پانی کی مانگ بڑھتی جاتی ہے مگر ذخیرہ نہیں بڑھتا۔ سالہا سال
سے پانی کے چشموں سے جتنا ہوسکتا تھا فائدہ اوٹھایا۔ پہاڑیوں کے
اندر جتنے گہرا اوتک پانی ہونا ممکن تھا۔ اوس کو نکالکر بغیر تبخیر کے شہر تک
پہنچانے میں کوئی دقیقہ اوٹھا نہیں رکھا۔ یہ سرنگوں کے ذریعے ہوتا ہے
جنکو قنائتیں کہتے ہیں یہ بڑی دانائی اور ہوشیاری سے کھودی جاتی ہیں
اور صنعت کے حیرت انگیز نمونے ہیں۔ یہ نظام تقریباً تمام ایران میں مروج ہے
زندگی اور زمین کی سرسبزی کا اسی پر انحصار ہے جنوب مشرق کے ایرانی
صحرائے میں یزد کا ریتیلا قطعہ انہیں زیر زمین نہروں کی بدولت گلاب کے
پھولوں کی طرح کھل گیا ہے جنہیں سے بعض تیس تیس میل لمبی ہیں موسم
بہار میں میں وہیں تھا مجھے تو معلوم ہو گیا کہ ایران کا پانی بڑا محبوبہ خیز ہے۔

طہران میں پانی کی بڑھتی ہوئی ضرورت نے کئی سال کی پیشتر وہ تحریک
کیطرف توجہ دلائی ہے۔ وہ تحریک پانی پہنچانے کے ذرائع کو بڑھانے کی
بابت تھی۔ ایک تجویز یہہ تھی کہ دریائے ایرلار کے ایک معاون کی رو کو
جنوب کیطرف منتقل کر دیا جائے جو البرز پہاڑ میں سے نکلتا ہے اور بحیرہ خضر
میں جا گرتا ہے اور یہ اس طریقے سے ہوسکتا تھا کہ ایک نئی ندی کھودی
جاوے اور پہاڑ کے دونوں سلسلوں کے درمیان کی ایک وادی سے

جسمیں وہ ندی بہتی تہی۔ ایک سرنگ لگائی جاوے۔ کام ایساہی اور اس
سے زیادہ آسان تہا جو گذشتہ سال مدراس میں ہوا۔ جہاں پریار ندی کی
رو کو مغرب کی طرف سے مشرق کو بدل دیا تہا۔ لار ندی کی تجویز کا پورا کرنا
بہت آسان ہے اور بڑی ندی پر اوسکا کوئی اثر نہیں پڑیگا۔ کیونکہ اوسمیں
اوس جگہ سے نیچے بہت سی ندیاں گرتی ہیں۔ جہاں سرنگ لگانے کی
تجویز کیگئی تہی۔ لیکن لار وادی شاہ کی گرمیاں گزارنے کی جگہوں میں
سے ایک ہے۔ اور اس کی بچے دینے والی گہوڑیوں اور چہوٹے بچوں کے
لئے نہایت پسندیدہ چراگاہ تہی۔ علاوہ ازیں ریوڑ چرانے والے خانہ بدوش
لوگ اس وادی میں رہتے ہیں۔ اور چونکہ بادشاہ وہاں کی جنگلی زندگی
سے محبت کرتا تہا اوسے خوف ہوا کہ کہیں میدانوں اور نشیبوں کی گہاس
کو نقصان نہ پہنچے اسلئے اس تجویز کو برطرف کر دیا گیا

ایک اور تجویز یہ تہی کہ طہران سے آٹھ میل کے فاصلہ پر جو کوہ البرز
کے نچلے حصے جو لٹکے ہوتے ہیں اون کے نیچے پہاڑ کی تہ میں خوب مضبوط
دیواریں بناکر پانی کے خزانے تیار کئے جاویں۔ جسمیں جاڑے کے واسطے
پگہلی ہوئی برف کا پانی رکہا جائے۔

تمام پہاڑ سال بہر برف سے بالکل ڈہکا رہتا ہے۔ ماہ اپریل اور مئی میں
برف پگہل جاتی ہے اور قیمتی پانی بہکر ایسی جگہوں پر جا پڑتا ہے جہاں اوسکی
کچھ ضرورت نہیں۔ اگر یہ پانی جمع کیا جائے تو آئندہ گرمی کے موسم میں کام
آئے پہاڑیوں اور قصبے کے درمیان کا ڈہلوان میدان اگر آبپاشی کیجائے
تو بہت زرخیز ہے۔ اسلئے اگر وہاں پانی کے خزانے بنائے جائیں تو وہ ایک
عمدہ آمدنی کی کان ثابت ہوں گے۔

ایران کے دیہاتی انتظام کا ایک بڑا جزو پانی کا تقسیم کرنا ہے۔ وقت
کے ٹہیک اندازے کے مطابق پانی کے کہولنے اور بند کرنیکا انتظام ایک شخص
کرتا ہے جسے میر آب کہتے ہیں۔ اوسکا عہدہ موروثی ہوتا ہے۔ مگر عام لوگوں
کی رائے کے ماتحت ہوتا ہے۔ اس کام میں روشن دماغی اور حسابی حیثیت کی ضرورت

جلدی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ میں جاتے ہیں اور اوسے ایسا ہی چالاک ہونا چاہیئے جیسے بازاروں میں لیمپ جلانے والا۔ اوسے وقت کا ٹھیک اندازہ کرنا پڑتا ہے اوسکا حافظہ ایسا قوی ہونا چاہیئے کہ وہ تبدیلی نرخ و خشکی وغیرہ کی تفصیل خوب اچھی طرح یاد رکھ سکے۔ جب وہ بوڑھا ہو جاتا ہے یا کسی اور وجہ سے اپنا کام ضروری چالاکی سے نہ انجام دے سکے تو وہ اپنے بیٹے سے یا کسی اور آدمی سے جسکو اوس نے گاؤں والوں کی منظوری سے اپنا متبنیٰ کر لیا ہو مدد لیتا ہے۔ تب بڑے میاں پانی کی نہر قبل کلیا تھ ساتھ معہ اپنے معاون کے جسکے کندھے پر لمبے دستے والی ایرانی گندال ہوتی ہے اور جو اوس کے حکم کی فوراً تعمیل کرنے کو تیار ہوتا ہے خرامان خراماں جاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ گاؤں کے پانی کے بارے میں بعض اوقات ایک گاؤں کی دوسرے گاؤں سے سخت لڑائی ہوتی ہے اور مثل مشہور ہے کہ ایران میں پانی اور عورتوں کی وجہ سے سخت جھگڑے ہوتے ہیں۔

ایک دن جون کے مہینے میں چونکہ گرمی بہت تھی ہم سورج نکلنے سے پیشتر ہی اوٹھ بیٹھے۔ تاکہ بہت سویرے چل دیں اور دیں اور ہیرے ہمراہی دوپہر کی گرمی سے بچ جاویں ہم سب تیسرے پہر سے سو رہے تھے کہ ہمارا سے صحن میں چلاتے ہوئے گاؤں والوں کا ایک گروہ آ گیا اونہوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارا حال سنو اور ہمارے زخموں کی گواہی دینا۔ اونہوں نے کہا کہ ہم زمیندار کے ہم کسان ہیں جسکا یہ مکان ہے اسلئے آپ مہربانی کر کے مہمان کے طور پر ہمارا حال بیان کر دیجیگا۔ تاکہ انصاف ہو آبپاشی کے ایک ٹکڑے کی بابت جھگڑا ہو گیا تھا فریق مخالف چونکہ مضبوط اور تعداد میں زیادہ تھے اسلئے وہ اونپر غالب آ گئے۔ اور بہت بری طرح پیٹا۔ بعض زخم ایسے تھے کہ دیکھا نہیں جاتا تھا۔ جو ایرانی لمبے دستے والے بیلچوں سے لگائے تھے اوس کے پاؤں رکھنے والے پہلوؤں کی وجہ سے وہ بہت ہی خطرناک ہتھیار بن گیا تھا۔ جب میں ضبط سے تنگ چکا اور وہ کچھ مطمئن لگا کر زخموں کو سادہ طور پر باندھ لو اونھوں کو لوٹ گئے۔ یہاں تو پانی کا قصہ ہوا۔

اب عورت کا حال سنئے جو کہ لڑائی کا دوسرا سبب ہے یہ واقعہ میں پہلے دیکھ چکا تھا
اور بہت ہی نازک تھا یہ یزد اور شیراز کے مابین ابرکوہ کے صحرا کے کنارے پر موضع
شمس آباد میں ہوا سات بہر دور و دراز کا سفر کرنے کے بعد میں نے وہاں قیام
کیا۔ میں فوراً گاؤں کے ایک مکان میں جا ٹھہرا۔ مالک مکان نے مجھے اپنے لڑکے
کے گولی کے زخم دکھلائے اور کہا کہ اس کے علاج واسطے کچھ نسخے بتلائے۔ میں نے
یہ کہکر کہ میں اس میں کیا کر سکتا ہوں اونسے پوچھا کہ کیا کوئی ہڈی تو نہیں
ٹوٹی۔ انہوں نے کہا کہ نہیں صرف گوشت کے زخم ہیں جب لڑکا آیا
تو معلوم ہوا کہ ایک تو دو پسلیوں کے درمیان زخم تھا۔ دوسرا ٹانگ کے نچلے
حصہ میں بہت گہرا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ خاص قسم کی گولی کے نشان ہیں
میں نے کہا ان کو خوب صاف رکھو اور مرہم اور لوشن کا استعمال کرو۔ اور ضروری
اغذیہ مہیا کر دیں۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ زخم کیسے لگے تھے نوجوان نے جواب دیا
کہ ہم دو بھائی ایک پن چکی پر سے واسطے آٹا پسوا رہے تھے جب ابرکوہ کے
چند جوانوں نے ہم پر حملہ کیا اون کے اور ہمارے خاندان میں مدت سے عداوت
چلی آتی ہے۔ ہم دونوں پاس پاس بیٹھے تھے جب ہم پر گولیاں چلائی گئیں
میرا دوسرا بھائی دو روز ہوئے زخموں کی وجہ سے مر گیا۔ مالک مکان نے
جو گاؤں کا نمبردار بھی ہے اس جھگڑے کی وجہ یوں بیان کی کہ ایک لونڈیا جسکی
منگنی ہمارے گاؤں میں ہوئی تھی ابرکوہ کے ایک نوجوان کے ساتھ بھاگ
گئی۔ محروم شوہر نے اپنے کامیاب رقیب کو مار ڈالا۔ اور پھر اوس وقت سے پانچ
نسلیں گذر چکی ہیں کہ ابھی خون کے بدلے خون کا مطالبہ ہوتا چلا آتا ہے۔
اوس نے کہا ہم بڈھے بوڑھوں کا خیال تھا کہ اب بات گئی گذری ہوئی
مگر اب جوانی کے خون نے پھر جوش مارا ہے اور جھگڑا زندہ ہو گیا ہے۔ اب
زیادہ کشت و خون کا خوف ہے۔

اور اس دور و دراز کے علاقے میں انصاف کے قدیمی قدرتی اصول کا
باشندوں پر بڑا اثر تھا اور قانون کی عدم موجودگی میں خاندانوں اور قبیلوں
کے بچاؤ کا کام دیتا تھا۔

ایک قاتل اس بات کے علم کی وجہہ سے کہ اپنے بھائی یا باپ کے خون کا بدلہ لئے بغیر چھوڑ دینا ہتک کا باعث سمجھا جاتا ہے۔ اپنے قتل کے کام میں رک جاتا ہے اور انجام کو سوچکر اس سے درگذر کرتا ہے یہی وجہہ ہے کہ ملک کے اس بے ضابطہ حصہ میں نظم قایم ہے کبھی جھگڑے تنازع کا فیصلہ گاؤں کے بوڑھے کرتے ہیں۔ جو عموماً آپسمیں صلح کرا دیتے ہیں۔ لیکن محروم عشق کے جوش میں اس کام کو کر گذرتے ہیں۔ جسکے مہلک نتیجے آئندہ نسلوں کو بھگتنے پڑتے ہیں۔ جیسا کہ اس حالت میں جو ابھی میں نے بیان کی۔ میں نے گاؤں کے نمبردار کو جو حقیقت میں ایک مقامی منصف بھی تھا کہا کہ ایسے واقعات فرنگستان کے بعض وحشیانہ حصوں میں بھی کثرت سے پیش آتی تھے۔ اور موجودہ حالت میں سب سے اچھی ترکیب فیصلے کی یہ ہوگی کہ جس فریق کیطرف سے جھگڑا شروع ہو وہ فریق ثانی کو محروم شوہر کے واسطے ایک لڑکی دے اور اسطرح ہمیشہ کے واسطے خوشی سے جھگڑا مٹا دے۔ میں نے کہا کہ ایسی حالت میں دوستی بڑھانے اور جھگڑوں کے مٹانے کا مناکحت سے بڑھکر کوئی طریقہ نہیں ۔۔

طہران کے بازاری ٹرمویے لگاتار کام کر رہے ہیں۔ اگرچہ نفع بہت کم ہے شروع میں کمپنی نے درجہ بدرجہ کرایہ رکھا تھا۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ اب وہ سب کے واسطے ایک تھوڑی رقم مقرر کرنا چاہتے ہیں جس سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آمد و رفت میں ترقی ہوگی۔ خاصکر عورتوں کی ملاقاتوں میں کیونکہ انکا باہر جانے کا لباس ایسا ہے کہ چلنے میں دقت ہوتی ہے۔ ٹرمویے گاڑیاں علیحدہ عورتوں کے واسطے علیحدہ کرے ہیں۔ رفتار مجبوراً کم کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ بھرپور بازاروں میں آدمیوں اور جانوروں کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مشرق میں حادثات جو یورپیوں کے ہاتھوں سے ہوتے ہیں نہ تو وہ آسانی سے سمجھے جاتے ہیں۔ اور نہ آسانی سے قبول کئے جاتے ہیں۔ طہران کی ٹرمویے کمپنی کو اسکا تجربہ ہو چکا ہے ایک موقعہ پر ایک سید کے لڑکے کو ضرب پہنچی تھی وہ اصلی نسل کا تھا یعنے سید ہمارے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں

سے تھا۔ اسپر خلقت نے اوس کے والد کی مؤثر فریادوں سے جوش میں آکر گاڑی کو نقصان پہنچایا۔ لائین کو توڑ ڈالا

ایک اور موقعہ پر ایک آدمی نے ضد سے نصیحت کی پرواہ نہ کرکے آگے سے داخل ہونے کی کوشش کی۔ وہ پہیوں کے نیچے گر گیا نہیر قابل جوش حاضرین کو تندی اور سختی پر ابہار آگیا۔ اور شہر کے حاکم نے کمپنی کے خلاف فدیئے کی ڈگری کر دی۔ جب دوسری طرف سے سڑک کے نقصان کا دعوی کیا گیا تو آپسمیں فیصلہ کرا دیا گیا۔ مشرقی لوگوں کی بے پرواہی جھگڑوں کا بڑا باعث ہوئی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ حادثات واقعہ نہوں۔ مگر افسوس اسپر ہے جسکی وجہہ سے واقعہ ہوں مشرقی لوگ حادثات کو جرائم کے زمرہ میں شامل کرتے ہیں۔

ایران کے تمام بڑے بڑے شہروں میں بدمعاش ہوتے ہیں جن کو کلاہ نمدہ کہتے ہیں کیونکہ وہ سخت نمدے کی نیچی لٹ ٹوپیاں پہنتے ہیں زود رنج بے پرواہ اور ہمیشہ لڑنے کو تیار رہتے ہیں۔ وہ شہدے ہوتے ہیں جو آلی چالائی پر گزارہ کرتے ہیں اور جب گیہوں کو جمع کرکے رکھ چھوڑنے کی وجہہ سے روٹی مہنگی ہوجاتی ہے تو باقاعدہ حملہ محنت کرنیوالے لوگ انہیں کو ابہار سکتے ہیں۔ روٹی کی سازش میں نان بائی سب سے پہلے پکڑا جاتا تھا اور کہتے ہیں کہ ایک کو زندہ تنور میں جلا دیا تھا۔ لیکن آجکل کے گیہوں جمع کرنے کے زمانے میں لوگ گیہوں کے ذخیرے کی تلاشی کرتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوا ہے کہ روٹی کی سازشیں اب بہت خوفناک ہوئی جاتی ہیں جیسا کہ حال میں تبریز کے واقعہ سے ثابت ہوا۔ پیشتر ایک موقعہ پر ولیعہد جو کہ آجکل موجودہ بادشاہ ہے اور جو بطور گورنر جنرل آذربیجان کے تبریز میں رہتا تھا اس تکلیف کا انسداد نہ کر سکا اور اپنا طہران کا آنا بند کر دیا۔ تاکہ وہ روپیہ لگا کر لوگوں کے واسطے روٹی سستی کیا وے۔ اس عملی ہمدردی کی وجہہ سے وہ ہر دلعزیز ہوگیا۔ یہ ہر دلعزیزی اوس کے کام آئے گی۔

گیہوں کے دوسرے درجے پر جھگڑا پہیلانے والا تنبا ہے جسکی وجہہ سے

طہران میں فساد ہونا ضروری ہے۔ شاہی ٹکسال ایران میں اجارے پر چلتی
ہے جعلی برائیاں رائج سکہ تک بھی پہنچ گئی ہیں۔ تانبے کی قیمت کم ہونے
کی وجہہ سے بہت سا فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور یہ فائدہ بہت خوفناک حد
کو پہنچا دیا گیا ہے۔ تمام ملک پولی (سیاہ پیسہ) سے بھر گیا ہے اور اب یہ
بہت کم قیمت پر ملتا ہے۔ اسکی وجہہ سے مزدوری پیشہ لوگوں کو جو اجرت
تانبے کے سکوں میں لیتے ہیں بہت تکلیف ہوتی ہے۔ چونکہ یورپ چاندی
کو تانبے سے زیادہ قیمتی سمجھتا ہے اسلئے ٹکسال کا مالک روس دھات کی درآمد
سے اتنا فائدہ نہیں اوٹھا سکتا جتنا وہ تانبے سے اوٹھاتا ہے مارچ ۱۸۹۵ء
سے چاندی بالکل نہیں ٹکسالی گئی۔

اور مالک ٹکسال کے پاس چاندی کی بجائے تانبا بھیجنے کا یہی بہانہ
ہے۔ تانبے کی بیس شاہی چاندی کے ایک قران کے برابر ہوتی ہیں (موجودہ
شرح تبادلہ کی ۳½ پنس ہے) جب چاندی موجود نہیں ہے تو مزدور لگانے
والا اجرت تانبے میں ادا کرتا ہے جو بازاری کاموں کے لئے قیمت میں بہت
گرا ہوا ہے۔ یہانتک کہ جب کسی چیز کی قیمت بلاشبہ ایک قران سے زیادہ
ہوتی ہے تو سودا شروع ہونے سے پیشتر یہ فیصلہ کر لیا جاتا ہے کہ آیا قیمت
تانبے میں دیجائے گی یا چاندی میں۔ ایسے ملک میں جہاں نقدی کی بہت قدر ہو
جیسا کہ اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ حساب ابھی تک دیناروں میں کیا جاتا
ہے جو کہ ایک فرضی سکہ ہے ایک چاندی کا قران سو دینار کا ہوتا ہے۔
اور تانبے کی شاہی پچاس کی۔

یہ ملی جسکا میں نے ذکر کیا ہے بہت نازک معاملہ ہے کیونکہ اس کا
عوام الناس پر بہت اثر پڑتا ہے۔ ایران میں جب میں شاہراہ سے علیحدہ سفر
کرتا تھا تو میں اپنے بڑے لڑکے کو اپنے رات بھر کے میزبان سے یہ کہتے ہوئے
سنکر بہت محظوظ ہوتا تھا کہ میں نے رہنے کے کمرے کے واسطے اتنے ہزار
دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اتنے ہزار انڈے مرغی جو بھوسے وغیرہ کے واسطے قران
کا کبھی ذکر نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اوس کو ہمیشہ ہزار کہکر پکارا جاتا ہے۔

اوپر کا حال لکھنے کے بعد مفصلہ ذیل خبر پہنچی ہے کہ شاہ مرحوم نے تقریباً تین ہفتے وفات سے پہلے ایک حکم جاری کیا تھا کہ ٹکسال پانچ سال تک اپنا کام بند رکھے اور چنگی ڈاک اور تار کے محکمے نقدی کے کاموں میں خلاف حد تک ایک مقررہ شرح پہ تانبے کے سکے لیا کریں۔ علاوہ اس کے ایران کے شاہی بنک سے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ وہ گورنمنٹ کے واسطے ایک خاص مقدار تک تانبے کے سکے خریدے جو چھوٹے چھوٹے جائز مالکوں سے جو اپنی ضروریات زندگی کے واسطے اپنے پاس رکھتے ہیں ۔۔

شاہ مرحوم ہمیشہ اپنی عیسائی رعیت سے فراخدلی اور صلح جوئی سے سلوک کرتا تھا۔ یہ بات اب ذرا غور طلب ہے۔ ایران کی تاریخ میں عیسائیوں کے ساتھ دوستانہ سلوک کے کئی ثبوت ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ لوگوں کو ان کے ساتھ خیرخواہی کرنے پر آمادہ کرتے رہے ہیں۔ شاہ عباس مہربانی اور تحمل کا نمونہ تھا۔ شاہ عباس ثانی ہی وہ شخص تھا جس نے کہا تھا کہ لوگوں کے دلوں کا فیصلہ خدا کے اختیار میں ہے نہ کہ میرے اختیار میں اور جو باتیں خلاق اکبر اور مالک الملک کے دربار سے تعلق رکھتی ہیں میں اون میں دخل نہیں دونگا۔ مشرقی عیسائیوں میں مغربی عیسائی مواعظ بھی امن وچین سے لیتے ہیں کیونکہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی پرجوش کوشش نہیں کرتے۔

صرف امریکہ کا پریسبی ٹرین مشن طہران میں ہے اور یہ اپنا کام ایسا با آرام اور عقلمندی سے کر رہا ہے کہ پرجوش ملاؤں کے شبہات کو بھی اوبال نہیں آتا۔ انہوں نے اچھی کامیابی حاصل کی ہے۔ کیونکہ وہ حد سے زیادہ کا لالچ نہیں کرتے وہ تمام قوموں اور مذہبوں کو فائدہ پہنچانے

خواہش ظاہر کرتے ہیں سنہ ۱۸۹۲ء کے ہیضے میں جو ہسپتال اونہوں نے شہر میں بنایا تھا۔ تاکہ جہانتک اون کی طاقت اور جگہ اجازت دے وہ سب آنیوالوں کا علاج کریں اس نے ایک بڑا عملی ثبوت اون کے نیک کام اور خیر خواہی کا دیا۔

یہ بیماری بڑی مہلک تھی اور اس کی تباہی کو دور کرنے کے لیئے بڑی محنت اور ایثار کی ضرورت تھی۔ یہ اون عیسائیوں نے ظاہر کیں۔ اور جیسا کہ چاہیئے تھا ایرانیوں اور فرنگیوں نے اون کی بڑی تعریف کی۔

جب تک میں اسکا ذکر کر رہا ہوں مجھے اس عمدہ مثال کا ضرور ذکر کرنا چاہیئے۔ جو شہر کے حاکم عیسے خان نے قایم کی وہ بہت دولتمند تھا اور غریب بیماروں کی حاجت روائی میں بڑی کوشش کرتا تھا۔ دبا کے زمانے میں وہ شہر میں رہا۔ اور دوسرے لوگوں کی طرح اوس نے قریب کی پہاڑیوں پر جاکر اپنی جان بچانی نہیں چاہی۔ لیکن افسوس کہ وہ بھی وبا کا شکار ہوگیا اور اوس کی بیوی جو وبا کے زمانہ میں اوس کے ساتھ رہی۔ وہ دو روز پیشتر مر گئی۔

یہ یاد ہوگا کہ سنہ ۱۸۹۱ء میں ایک ارمنی لڑکی کی بابت جھگڑا ہوا تھا جسکو ایرانی کردستان کا ایک کرد بھگا لیگیا تھا جب لڑکی کو اوس کے خاندان میں واپس لانے کی کوشش کیگئی تو وہ دونوں ترکی کردستان میں چلے گئے اور سرحد کے دونوں طرف کردوں میں بڑا جوش پھیلگیا۔ جھگڑا بڑھگیا اور ایرانی و ترکی کمشنروں اور کونسلوں نے اس میں حصہ لیا آخرکار یہ فیصلہ ہوا کہ لڑکی اپنے عزیز کرد کے ساتھ اپنی مرضی سے اوس کی بیوی بنکر چلی گئی ہے۔ اور مسلمان ہوگئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی کردستان کے سردار ارمینیا کے ہمسایہ کردوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں اور اسوقت عاشق و معشوق کے بھاگ جانے پر انگلستان کے عوام الناس میں شور مچ گیا تھا اور ایرانی اور ترکی سرحد پر جھگڑا

پڑھ گیا تھا۔

ایران میں ارمنی آرک بشپ جو اصفہان میں رہتا ہے ہمیشہ روسی علاقہ میں سے ہوتا ہے جو اریوان کے قریب اچمیڈزن سے آتا ہے اور اس سے یقیناً حفاظت اور امن میں بہت مدد ملتی ہے۔ فرانس بھی ایران میں کیتھولک ارمنی گرجے کی حمایت کا حق ظاہر کرتا ہے اور سال میں ایک دفعہ طہران کا فرانسیسی سفیر معہ اپنے عملے کے پورے سفارت کے لباس میں ارمنوں کے ساتھ انکے گرجے میں نماز پڑھتا ہے۔ تاکہ اون کی حمایت ظاہر ہو۔ اسی طرح ٹرکی میں فرانس کیتھولک مذہب کی انجمنوں کو اپنے تحت میں لیتا ہے مشرق میں وہ عموماً کیتھولک مذہب کا حامی معلوم ہوتا ہے۔ غور سے دیکھنے والا اس مذہبی تحریک سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جو طہران میں شاہ کے سایہ تلے غیر مسلموں کے ساتھ برتا جاتا ہے ان میں عیسائیوں کے علاوہ گبر یعنے آتش پرست اور یہودی ہیں۔ اگرچہ باہر کے علاقوں میں اون کو قتل کیا جاتا ہے۔ تاہم طہران میں اونکو پوری پوری آزادی ہے اور امید ہے کہ علاقوں کے حکام بھی شاہ مرحوم کی عمدہ مثال پر عمل کریں گے۔ بابی فرقے کے مسلمات اسلام سے خارج سمجھے جاتے تھے۔ اگرچہ وہ اپنے آپکو محض اسلام کا فرقہ کہتے ہیں اب اون کی بابت بھی اچھا خیال ہوتا جاتا ہے اور بہتر سلوک کیا جاتا ہے۔ کم از کم طہران میں مدت سے اونکو قتل کیا جاتا تھا۔ اور طرح سے ستایا جاتا تھا۔ یہ سمجھکر کہ یہ خطرناک لوگ ہیں اور دینی اور دنیاوی نظام کو درہم و برہم کرنا چاہتے ہیں۔

لیکن اب اچھی نصیحت اپنا کام کر گئی ہے اس نے ثابت کر دیا ہے کہ ان لوگوں کو ستانا بند کرنیکا موقعہ آگیا ہے۔ بہرحال موجودہ زمانے میں یہ گورنمنٹ سے کوئی دشمنی ظاہر نہیں کرتے اور غالباً گورنمنٹ کو بابیوں کی مثل سچ ثابت ہوئی ہے کہ ایک شہادت کی وجہ سے بہت سے لوگ اور ہمارے مذہب میں آجاتے ہیں۔

بابی عقلمندوں اور عالموں کو اپنے فرقے میں ملانا چاہتے ہیں نہ کہ جاہلوں

اور بیوقوفوں کو خیال کیا جاتا ہے کہ اب ممبر ہونے کے لئے اتنے علم کا ہونا
ضروری ہے کہ لکھنے پڑھنے کے واسطے کافی ہو۔ وہ نمونہ پیش کرنا چاہتے
ہیں نہ کہ زور اور یہی وجہ ہے کہ وہ اس قتل عام کا مقابلہ نہیں کرتے جس
سے اونکو اکثر بہت سخت تکلیف پہنچتی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم اسلام کے
پہلے اصولوں کیطرف جانا چاہتے ہیں جو عرب سے آئے ہیں نہ کہ سختی
کیطرف جس سے آزادی کے خیالات برباد ہو جاتے ہیں جنہیں اسلام نے
پرورش پائی تھی۔ وہ ان عداوتوں پر افسوس کرتے ہیں جو مذہب کے
پیرایہ میں کیجاتی ہیں وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ تمام مذہب کا ایک
ہی مدعا ہے یعنے سعادت اور وہ اپنے قاتلوں کو ثابت کر دکھاتے ہیں۔
کہ دیکھو ہم زمین پر آرام پھیلانے اور دوسروں کی خیر خواہی کرنے آتے ہیں
ایران میں اونکا ایک بڑا بھاری جتھا ہے جسمیں بہت سے عالم ملّا اور سید
پوشیدہ طور پر شامل ہیں وہ اپنے مذہب میں ہمیشہ بکے سے ہیں اور اکثر
اونہوں نے جان بخشی کے وعدے پر باب کے خلاف کچھ کہنے سے انکار
کیا ہے وہ او سکو لٹیر سمجھتے ہیں۔

باب کے حالات کا ایک معتبر مورخ لکھتا ہے کہ وہ اپنے مریدوں کے
خیالات اور امیدوں کو اس دنیا کے کاموں کی طرف لگاتا تھا نہ کہ دوسری
دنیا کیطرف اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا
اور نہ وہ اس زندگی سے پرے کسی چیز کا قائل تھا۔ البتہ اس نئے فرقے
کے پیرووں میں جو بڑے آزاد خیال ہوتے ہیں خیالات کی وسعت کی
امید ضرور ہونی چاہیئے۔ بابیوں کے یقین کی بابت مجھ سے کہا گیا کہ وہ
تناسخ کو مانتے ہیں نیک آدمی موت کے بعد زندہ ہو کر خوشی میں آجاتی
ہیں اور برے لوگ تکلیف میں ایک بابی نے مجھ سے آدمی کی پیدائش
سے پیشتر کی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ آئندہ کی زندگی پر ایمان
رکھتے ہیں تو پیشتر کی زندگی پر ایمان کیوں نہیں رکھتے کیونکہ ابد کا نہ
شروع ہے نہ انجام۔

یہ تناسخ کا خیال اس یقین سے نکلا ہے جو وہ باب کے دوبارہ زندہ ہونے میں رکھتے تھے اور اپنے مذہب کے اٹھارہ نبیوں کے بارہ میں رکھتے تھے۔

کچھ عرصہ سے اس خیال کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں کہ اب بابیوں کو قتل نہیں کرنا چاہیئے۔ بہت سے اعلےٰ درجہ کے لوگ یہ معلوم کرتے ہیں اور غالباً کہتے ہیں اور اون کی ہمدردی ظاہر کیگئی ہے ایکدفعہ ایک مولوی اون کے ساتھہ تحمل سے برتاؤ کرنے کا ایسے طریقے سے ذکر کر رہا تھا کہ گویا وہ اون کو بہت خطرناک نہیں سمجھتا تھا تب ایک بڑے بااثر اور معتبر سپاہی نے ۱۸۵۰ء و ۱۸۵۲ء کے بابیوں کے قتل عام کا حوالہ دیکر کہا کہ وہ ایک نہ صرف بے رحمی کا کام تھا بلکہ ایک بیوقوفی کا کام تھا کیونکہ ایک بابی کو مارنا ایسا ہے جیسے چنار کے درخت کو کاٹنا جہاں کہیں ایک شاخ کاٹی جاتی ہے وہاں سے بہت سی شاخیں نکل پڑتی ہیں۔ اور ایک کی بہت سی ہو جاتی ہیں ایک ملا بابیوں کے ساتھہ مہربانی کا سلوک کرنے کی ضرورت کا ذکر کرتے ہوئے بولا کہ میں اوس زمانے کا انتظار کرتا ہوں جبمیں تمام قسم کے لوگوں کے ساتھہ ایک سا برتاؤ ہوگا۔ اور سب مذاہب اور اقوام کے واسطے ایک سا قانون ہوگا۔

پچھلا بابیوں کے قتل عام کا واقعہ جسکے رہبر ملا تھے ماہ اپریل ۱۸۹۱ء میں یزد میں ہوا۔ یہ غالباً اصفہان کے بابیوں کے قتل کا نتیجہ تھا جو ایک سال پیشتر ہوا تھا اور جسکی ملاؤں کی تندی اور مخالفت کی آمادگی کی وجہہ سے کوئی سزا نہیں دیگئی۔

اسوقت ایک گروہ بابیوں کا پرجوش اور خون کے پیاسے اژدہام سے بچنے کے لیئے ہندیوروپی تار کی کمپنی کے دفتر میں جا چھپا اور وہاں اون کو پناہ ملگئی سپہر کے حاکم سے خط و کتابت کیگئی جسنے اونکو ایک فوج کے ہمراہ صحیح و سلامت گھر پہنچا دینے کا انتظام کیا اس بہروسے پر پناہ گزین تار کے دفتر سے چلدیئے۔ لیکن وہ ابھی بہت دور نہیں گئے تھے کہ تندا ہجوم

اونپر حملہ کرکے بہت بے رحمی سے مار ڈالا۔ شاہ کو اس دغابازی کی بابت سنکر بہت غصہ آیا۔ لیکن چونکہ حاکم نے یہ عذر پیش کیا کہ فوج کم تھی جوش میں بھرے ہوئے گروہ کے سامنے جنکے اکسانے والے ملا تھے۔ کوئی پیش نہیں جاتی تھی اسلئے بات رفت وگذشت ہوگئی۔

بہت سے مشاہدین یہہ دیکھکر بہت حیران ہوتے ہیں کہ تمام ایران میں بابی کثرت سے ہیں اور آسانی سے اونکا بابی ہونا ثابت ہو سکتا ہے۔ پھر بھی اون کے قتل کے ہنگامے برپا نہیں ہیں۔ اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ علاوہ مشہور بابیوں کے بہت سے لوگ اون کی ہمدردی کرنیوالے ہیں۔ جو ظاہرا بابیوں سے صرف ایک قدم پیچھے ہیں اور۔ اگر لگاتار اون کی کشت وخون کا سلسلہ جاری رکھا جائے تو وہ ہمدردی کرنے والے مظلوموں کے جبر سے شامل ہو جائیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بابیوں کا پلہ بھاری ہے یہی خوف بغیر کسی اور دلیل کے ملاؤں کو اسبات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے سرکش اور جوشیلے بھائیوں کو قبضے میں رکھیں کہیں کہیں جو جھگڑے ہو جاتے ہیں وہ عموماً ذاتی دشمنی اور نفع کے لالچ سے ہوتے ہیں۔ ٹھیک جیسا کہ اور ملکوں کی بابت مشہور ہے کہ ایک ممنوع مذہب کی پیروی پوشیدہ طور پر کی جاتی تھی اور روپیہ دیکر قتل اور مخبری سے بچ جایا کرتے تھے۔ اسی طرح ایران میں بابیوں نے بہت سے لوگوں کو دشمن سے دوست بنا لیا ہے اور بعض اوقات لالچی لوگ بعض افراد کو ستاتے ہیں اور بہت مذہبی جوش ظاہر کرتے ہیں۔ جب اون کی بات پوری ہو جاتی ہے تو خاموش ہو جاتے ہیں بعض وقت بازار کے خرید وفروخت کے معاملے میں مقروض جو کہ ایک مسلمان ہوتا ہے قرضخواہ کو جسکو وہ جانتا ہے کہ بابی ہے دہمکی دیتا ہے کہ اگر تم یہ روپیہ نہ چھوڑوگے تو میں ظاہر طور پر تمہارے خلاف کارروائی کرونگا۔ مینے ایک واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کہ ایران کے ایک بڑے بابی تاجر نے ایک غیر ملک سفارتخانے کے طویلہ میں پناہ لی اور وہ بازاری بدمعاشوں سے جان بچانے کو بھاگا تھا

جن کو اس سے ایک مقروض نے یہہ کہکر پھنسایا تھا کہ یہہ کافر ہے اسے مار ڈالو۔ یزد میں بابیوں سے اون کی جان و مال کی حفاظت کے لیئے روپیہ لینے کا کام ایسا شہرت اور کامیابی سے چلا ہوا تھا کہ بعض غریب مسلمانوں نے بھی حصہ مانگا اور محروم رہے کہتے ہیں کہ سنہ ۱۹۰۱ء کے قتل عام کا بھی سبب تھا۔

بابی باوجود اپنے اختلاف رائے مسجدوں میں آکر ملاؤں کے لکچر سنتے ہیں اور مذہب کی سب ظاہری باتوں کو مانتے ہیں اور غضب سے بچنے کے لیئے جو اونپر جلسوں میں عدم شرکت کی وجہہ سے اون کے متعصب اور جوشیلے ہمسایوں سے نازل ہوگا۔ اون میں سے دو ایک اختلاف رائے کیوجہہ سے بابی قرار دیئے گئے مباحثہ باہر کھلے بازاروں میں ہوا۔ الزام لگانے والے شور مچاتے تھے اور دہمکیاں دیتے تھے وہ غریب تھے۔ اسلیئے اون کو فوراً حفاظت کرنے والے نہ ملسکتے تھے جب لوگوں نے بہت تنگ کیا۔ تو ایک جوشیلا دوست اون کی مدد کو آگے بڑھا اور کہا کہ اگر وہ بابی ہیں تو اونہوں نے تمہیں کیا نقصان پہنچایا ہے۔

اسپر شور مچ گیا اور لوگوں کی تندی بہت بڑھ گئی۔ جب اسقدر بہت بڑھ گیا تو لوگوں کو اپنی عداوتیں پوری کرنے اور مختلف قسم کی غرضیں حاصل کرنیکا موقعہ ملگیا۔ تین اور شامل کرکے چھہ کر دیئے۔ اور گورنر کے پاس لیگئے۔ تاکہ وہ ایک قبیح مذہب کے پیرو ہونے کی وجہہ سے ملزم قرار دے۔ ملاؤں نے اوسکو ترغیب دی کہ باب کو گالی دیکر اپنی جان بخشی کرو اون سب نے انکار کیا اون کے بیوی بچوں کو بلوایا گیا۔ تاکہ اون کو دیکھکر وہ جینے کی خواہش کریں۔ اور اپنے مذہب کو چھوڑ دیں۔ لیکن اس اون کے پکے ارادے پر کوئی اثر نہ پڑا جب اون سے کہا گیا کہ موت آنیوالی ہے اونہوں نے جواب دیا کہ ہم بہت جلد پھر جی اٹھینگے۔ جب اون کے اس عقیدے کے متعلق بحث کیجاتی ہے تو صرف اتنا کہدیتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ کیونکر ہوگا۔ اتنا جانتے ہیں کہ ایسا ہی ہوگا۔ تعجب ہ

لوگوں کے سپرد کئے گئے اور اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رکھے مارے گئے ۔
چونکہ لوگ باقیوں کا بھی اسی طرح فیصلہ کرنا چاہتے تھے اسلئے وہ دو کو اور لے آئے۔ گورنر نے اونکو بچانے کیغرض سے قید کر دیا۔ لیکن لوگ اون کے خون کے پیاسے تھے۔ اونہوں نے اسقدر شور مچایا کہ کمزور طبیعت حاکم نے پہلوں کی طرح اون کو بھی بے رحم موت کے حوالہ کر دیا۔ ان دونوں نے بھی اپنے بھائیوں کی طرح باب کو گالیاں دیکر جینے سے انکار کیا۔

ملا بابیوں سے انکار کروانے میں ہمیشہ ناکامیاب رہے ہیں اور اسی عقیدے کے استقلال کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو خیال ہوگیا ہے کہ یہ لوگ انجام میں کامیاب ہوں گے

سوچنے والے لوگ کہتے ہیں جیسا رومی عیسائیوں کی نسبت کہتے تھے کہ یہ کس غضب کے آدمی ہیں جو اپنے ایمان کے واسطے بے خطر جان دینے کو تیار ہیں۔ ایک بابی کا قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ اوس نے موت سے بچنے کے لئے انکار کر دیا تھا مگر پھر وہ اپنے مذہب میں ملگیا اور صبر سے موت کو برداشت کیا جس سے وہ ڈرتا تھا۔

جن ملاؤں نے یزد کا قتل عام کروایا تھا وہ سب قصبے کو اس جرم میں لپٹنا چاہتے تھے اسلئے انہوں نے شہر میں خوشی کے طور پر روشنی کرنے کو کہا اس کا حکم دیا گیا۔ لیکن حاکم کو بروقت اس حکم کے واپس لینے کے واسطے خبردار کیا گیا۔ عام لوگوں کے خیالات سے یہ ظاہر ہوتا تھا اور افسروں کو یہ معلوم ہوا کہ آدھے یا آدھے سے زیادہ دو کاندار بابی تھے۔ وہ کبھی روشنی نہ کرتے کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ وہ ان قتل کے واقعات کو پسند کرتے تھے اور اپنے مذہب سے انکار کرنے سے خوشی سے ظہار میں شامل ہونے کا مصمم ارادہ رکھتے تھے اس لوگوں پر پھر غصہ آتا اور تمام بابی ذاتی حفاظت کے اصول کے مقابلہ پر تیار ہو جاتے ۔

شاہ مرحوم کو اس قتل عام کی خبر سنکر بہت رنج ہوا اور حاکم شہر کو جو کہ اوس کا اپنا پوتا تھا وہاں سے تبدیل کر دیا۔ اگرچہ اوس کا عذر تھا کہ مولویوں کی طاقت جنہوں نے لوگوں کو بھڑکایا تھا بہت بڑی تھی۔ وہ کسی طرح اون واقعات قتل کو روک نہیں سکتا تھا۔ غالباً موجودہ گورنمنٹ کو بابی شورش کے امن کا یقین ہو گیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ قتال کے بند کرنے کے احکام کی وجہ سے جنکی کچھہ حد تک خیالات عامہ بھی امداد کرتے ہیں ہم آئندہ اصفہان اور یزد کی ۱۸۹۰ء اور ۱۸۹۱ء کے سے جرائم سننے میں نہیں آئینگے۔

بابی چال عورتوں کے ساتھہ سلوک کرنے کے بارے میں پرانے اور نئے مشرقی نظاموں میں ایک بڑی ترقی پیدا کرنے والی ہے تعدد ازدواج اور لونڈیاں رکھنا بالکل منع ہیں۔ برقع اور طمانچہ برا سمجھا جاتا ہے۔ مرد عورت کی مساوات پر اسقدر زور دیا گیا ہے کہ کم از کم انیس بڑے بڑے پیغمبروں میں سے ایک عورت ہونی چاہیئے۔ اس ایران کی عورتوں کی پہلی حالت کی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے جسکا ذکر میلکم نے کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ کونٹس کرٹیش نے اسکندر سے کہا کہ کسی کبھی کے سامنے جبتک وہ نہ کہے مت بیٹھنا۔ کیونکہ ایران میں بیٹے اپنی ماؤں کے سامنے بیٹھتے نہیں ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اسکندر نے حملہ کیا۔ اسوقت ایران میں عورتوں کی کہانتک قدر کیجاتی تھی اور خیال کیا جاتا تھا کہ ایران کے شائستگی حاصل کرنے کی یہی بڑی وجہہ تھی۔ آجتک پارسی اسی طریقے سے رہتے ہیں۔ اگرچہ ہمارے پاس پورا مصالحہ نہیں ہے کہ ہم یونانیوں میں ماں کی عزت کا موازنہ کر سکیں تاہم والد کے ساتھہ ایسا ہی برتاؤ ہونے کی وجہہ سے ہم ماؤں کی عزت کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ ہم اوسی واقعہ سے پتہ لگا سکتے ہیں جو سنہ ۱۸۳۴ء میں محمد شاہ کے مرنے پر ہوا۔ کہ ایک قابلہ عورت کو امور سلطنت میں اپنا زبردست تسلط بٹھلانے کی عام لوگوں کی رائے سے ایسے نازک وقت

میں اجازت دیگئی کہ جب بڑے بڑے دانا صلاح کاروں کی ضرورت ہوتی
ہے بادشاہ کی ماں اسوقت ارکین سلطنت کی مجلس کی میر مجلس بنگئی
اور بڑی ہوشیاری سے مخالف فریقوں کو سمجھادیا اور گورنمنٹ کو مستحکم
بنادیا۔ یہانتک کہ نوجوان بادشاہ یعنی شاہ مرحوم امن میں ہوگیا۔

مدّت تک یہ خیال کیا جاتا تھا کہ صرف روس اور انگلستان ہی دو ایسی
سلطنتیں ہیں جنکا ایران سے کچھ تعلق ہے۔ لیکن گذشتہ چند سال کے
عرصہ میں یہ ثابت ہوگیا ہے کہ ٹرکی بغداد اور ارضروم کے علاقوں میں اپنا
تسلط قائم رکھنے کے ارادے سے ایران کی سرحد پر دعوے کریگی۔ فرانس
نے بھی ایران میں اپنا اغراض کو بڑھا لیا ہے اور جرمنی نے عملی طور پر مہم
شروع کردی ہے وہ ٹرکی سرحد کے شہر خانقین اور طہران کے درمیان
کی سڑک کو درست کرنا اور ایک اور سڑک وہاں سے بغداد تک بنانا چاہتی
ہے۔ غالبًا یہ معلوم ہوجائے گا کہ یہ سڑک کی تجویز اوس جرمنی کمپنی کی
ہے جو بغداد و قاسفورس کے درمیان ریلوے لین بنارہی ہے جس کا
کچھ حصہ پہلے ہی زیر تعمیر ہے۔ بڑی لین انگورہ۔ قیصریا۔ دیاربکر۔ مردینا
اور موصل میں سے ہوکر گذرتی ہے اور ایک شاخ اوس کی شہر سے نکلکر
قونیہ مارسک اور ارفا ہوتی ہوئی دیاربکر پر آملتی ہے۔

خیال کیا جاتا تھا کہ چونکہ قونیہ پر آمد کی پیداوار کا ایک بڑا مرکز ہے
اسلیے سمرنا لائینوں کے مالکوں نے وہاں تک سڑک بڑھانے کی اجازت
میں یہانتک مقابلہ کیا کہ اناطولین کمپنی کو بغداد تک ریل بنانے کا
ٹھیکہ دینے میں دولت عثمانیہ کامیاب ہوگئی۔ کہا جاتا تھا کہ اسقدر سخت
مقابلہ تھا کہ گورنمنٹ کی حالت اوس شخص کی سی ہوگئی جو ایک بڈھا
اونٹ اور خوبصورت بلی بیچنے کو بازار گیا تھا۔ بلی اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھی
ہوئی دکھائی گئی اور بہت سے لوگوں نے اوس کی خواہش کی۔ لیکن
کسی نے اونٹ پر بولی نہ دی۔ بلی کے واسطے مقابلہ بہت بڑھگیا اسپر اوس
نے پکار دیا کہ دونوں چیزیں اکٹھی ملیں گی۔ اس طرح بلی کے ساتھ اونٹ

بہی بک گیا۔ لیکن اصلی بات یہ ہے کہ قونیہ کی لائین کے واسطے مقابلے کا کوئی موقع نہیں تہا۔ اناطولین کمپنی کی چہوٹی لوپی لائین کے واسطے خاص حقوق تہے۔ جسکا مینے ذکر کیا ہے کہ قونیہ سے گذرتی ہے اور بڑی شمالی لائین سے وہاں بکیر پہر جا ملتی ہے

اونکا لائین کو بغداد تک پہیلانے کا بہی خاص حق ہے اور اسکے وہان پہنچانے کا وہ ارادہ رکہتے ہیں۔

اب حال میں سمرنا ایڈین لائین کو بہت ترقی ہوئی ہے۔ کیونکہ ایشیا کوچک کی گیہوں کے علاوہ وہاں کے جو کی مانگ بہی بڑہتی جاتی ہے اس کے یہ معنے ہیں کہ اور جگہوں کے لوگوں کی شراب اور روٹی کو سامان وہاں کثرت سے اور ارزاں ملسکتے ہیں۔ اور اگر وہاں زیادہ ریل پہنچاوے تو آمد اور خرچ دونوں بڑہ جائینگے۔ وہی جو کی تجارت جنوبی ایران اور ٹرکی عرب میں بہی بڑہ گئی ہے۔ چند سال پیشتر جبکہ گیہوں کی قیمت کیوجہ سے موجودہ گیہوں کی تجارت کو نقصان پہنچا تہا۔ خلیج فارس کے بندروں سے جو کی برآمد میں فائدہ معلوم ہوا ہے۔ ایران میں جو سب سے ارزان اناج ہے۔ کیونکہ وہان گہر کے خرچ کے واسطے صرف گیہوں استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور یہ سب لوگ گہوڑوں کو کہلاتے ہیں۔ بیج کے بارے میں عدم توجہی کی وجہ سے اور فصلوں کے بہت قریب قریب ہونے کیوجہ سے گیہوں اکثر جو سے ایسے ملجاتے ہیں کہ ملاپ ہو کر ان کا اکثر جہگڑا رہتا تہا جب میں اہواز میں تہا جو قارون پر واقع ہے تو مینے دیکہا کہ ایک کل اناج جدا کر رہی ہے۔ عرب مالک ناقابل فروخت جو واپس لیجانے کو انتظار میں بیٹہے تہے۔ اور جو ایک یورپین کمپنی برامد کے واسطے خرید کئے تہے وہ کل بہی اس کمپنی کی تہی آجکل غالبًا عرب مالک کل کی دوسری طرف بیٹہے ہیں تاکہ ناقابل فروخت گیہوں واپس لیجائیں اور تجارت میں تبدیلی پیدا ہونے کی وجہ سے اب جو برآمد کے واسطے خریدے جاتے ہیں ؛

جس جرمنی کمپنی نے ایرانی سڑک کا ٹہیکہ لیا ہے۔ یہ وہی ہے جس نے

طہران کے ٹرمیوے کو کوہ شمران پر دیہات تک پہنچانے کی تجویز پیش کی تھی۔ یہ سب دس میل کے فاصلے کے اندر ہی ہے۔ شہر کے تمام رئیس دربار شاہی۔ تمام غیر ملکوں کے سفارتخانے اور جو لوگ فیشن کی پیروی کرنا چاہتے ہیں یا نقل مکان کی قابلیت رکھتے ہیں وہ گرمیوں کے موسم میں یہاں رہتے ہیں۔ یہ موسم شروع جون سے اخیر ستمبر تک رہتا ہے یہ تمام قصبے کی مضافات سمر ما کہلا سکتی ہے اور وہاں بڑی آمد و رفت ہوتی ہے۔

میں پیشتر ذکر کر چکا ہوں کہ روسی ایک سڑک بحیرہ خضر سے کاسوین تک بنا رہے ہیں تاکہ طہران کی منڈی میں روسی تجارت خوب مستحکم ہو جائے۔ ساحل سے دارالخلافہ تک کل دوسو میل کا فاصلہ ہے۔ ہموار ملک میں کاسوین سے ہمدان تک جو کہ تقریباً ایکسو پچاس کا فاصلہ ہے ایک پرانا کاروانی راستہ ہے

کچھ عرصہ سے یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ روسی کمپنی کو اس راستہ کی چھکڑوں کی سڑک بنانے کی اجازت دیدی گئی ہے اور ساتھ اوس راستہ کو بھی ملا یا جائیگا جو رشط سے آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آمد و رفت میں ترقی ہوگئی تو روسی تجارت ہمدان میں کامیابی سے مقابلہ کر سکے گی بحیرہ خضر سے اوسکا فاصلہ طہران کے فاصلہ کی نسبت صرف پچاس میل زیادہ ہے۔ اور تبادلے میں روئی کی تجارت بھی ہوگی۔ کیونکہ اب ارمنی سوداگر بنوبیہ میں اصفہان اور یزد تک کی روئی باہر بھیجتے ہیں۔ جرمن سڑک جو بغداد سے طہران کو جائیگی اس سڑک کو ہمدان میں ملیگی۔

جن اضلاع میں۔ اناج۔ اون اور شراب کثرت سے ہوتی ہے انمیں کرمانشاہ اور ہمدان جہاں سے ارمن سڑک گذرتی ہے دو بڑے تجارتی مرکز ہیں۔ ان جگہوں میں کربلا یعنی بغداد جانے والوں کے دائم المتحرک قافلے بھی ملتے ہیں۔ جو سال میں ایک لاکھ کے قریب ہوتے ہیں۔ کربلا کے حاجیوں کا اور سوداگروں کا سالہا سال سے یہی راستہ رہا ہے۔ اگر سڑک کی اصلاح کر کے زیادہ آسانیاں پیدا کر دیجائیں تو آمد و رفت میں

یقیناً ترقی ہو گی۔

کہا جاتا ہے کہ ریشلا کی روشنی سڑک میں لکیریں اسوا سطے بنینگی کہ آئندہ ریل بنانے میں آسانی ہو۔ تہران کی سڑک میں بھی غالباً یہی کیا جائے گا اور یقین کیا جاتا ہے کہ جدمن سڑک بھی اسی طریقہ پہ بنائی جائے گی

ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان رعائتوں کی آڑ میں وہ وعدے بھی ہیں جو آئندہ کسی مناسب موقع پر ریل بنانے کی اجازت دینے کو کئے گئے ہیں۔ اگر آئندہ زمانہ کی دھندلی تاریکی میں امید کی آنکھ سے دیکھا جاتا ہے تو کوئٹہ یا وادی اٹک لائن کو کرمنشاہ سے ملا کر ہندوستان اور یورپ کے درمیان آمد و رفت ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

اس سے ہماری توجہ روس اور ایران کے ۱۸۹۰ء کے عہدنامے کی طرف مبذول ہوتی ہے جس کی رو سے اس صدی کے اخیر تک ایران میں کوئی ریلوے نہیں بنائی جائے گی۔ جب یہ عہدنامہ معلوم ہوا تھا کہ یہ روس کی ایک حاسدانہ پالیسی ہے کہ وہ نہ تو خود طاقت رکھتا ہے اور نہ اوروں کو مدد کرتا ہے کہ ایران میں آمد و رفت کے ذرائع پیدا کئے جاویں اور ملک کو ترقی دیجاوے۔ لیکن یہ یقین بے بنیاد نہیں ہے کہ خود شاہ روس کی اس درخواست کو قبول کرنے پر تیار تھا۔ کیونکہ یہ ریلوے اوس کے دارالخلافہ کو کاکیشیا سے ملا دیتی۔ ۱۸۹۰ء میں ایران میں ریلوے کا ذکر بہت ہوتا تھا۔ اور روس جانتا تھا کہ اوسے ایران اور افغانستان کی شمالی سرحد تک ریلوے پہنچانے میں کم از کم دس سال لگینگے۔ اب چونکہ تفلس سے الگزینڈروپول تک ریل تیار ہو گئی ہے اور کارس سے ایک شاخ آراس کی زرخیز وادی میں سے ہوتی ہوئی جلفہ کو جائے گی جہاں سے وہ ایرانی سرحد کے پار تبریز تک پہنچ سکیگی۔ اور ایک شاخ دوشاخ یا کرسنت سے جو ٹرانس کیسپین ریلوے پر واقعہ ہے، سرخ کو جائے گی جہاں روس ایران اور افغانستان ملتے ہیں۔ تاکہ ہرات اور مشہد سے بآسانی تجارت ہو سکے۔ اسی اثنا میں جھگڑوں کی سڑکیں جو بروقت ضرورت ریلوے کے کام

کے لئے تیار ہونگی۔ بحیرہ خضر سے کاسوین طہران اور ہمدان تک
مکمل ہو جائے گی۔

روس اس خیال پر زور دیتا رہا کہ اگر قارون کی بندرگاہ دنیا کے
واسطے کھولی جائے تو انگلستان کے واسطے سیاسی فتح ہوگی اور انگریزی
تجارت کے واسطے ایک خاص رعایت ہوگی۔ کیونکہ جنوب میں سب سے
زیادہ تجارت انہیں کی ہے۔ اسلئے انہوں نے خوب سوچا کہ اس کے
بدلے میں ہم کیا لیں جس سے ہماری تجارت شمال میں زبردست رہے۔
اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ دس سال تک ایران میں ریلوے بنانے کی ممانعت ہوگئی
روس انگلستان کی طرح اپنی تجارت ایران میں بڑھانا چاہتا ہے اور وہ
اپنی تجارت کے واسطے آسانیاں اور بڑی سے بڑی رعایتیں حاصل
کرنے کو اپنے اوس رسوخ کو کام میں لائیگا۔ جو اس کو قریب ہونے کیوجہ
سے حاصل ہے۔

جب روس اور انگلستان اس طرح اپنی تجارتی رقابت میں مشغول تھے
جرمنی نے یکایک وسط ایران کے مغرب میں آ سر نکالا۔ جہاں ان دونوں
کا مقابلہ ہوتا ہے۔ ایران بھی اپنی تجارتی مہموں میں سست نہیں رہا۔
ایرانی تاجر نہ صرف اپنے ملک کی ساری تجارت اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے
ہیں۔ بلکہ انہوں نے غیر ملکوں کے کارخانوں سے براہ راست تعلقات
پیدا کر لئے ہیں اور اب بڑی چالاکی سے یورپی سوداگروں کا مقابلہ کر رہے ہیں
جن کے ہاتھ میں بیشتر تمام درآمد و برآمد کی تجارت ہوتی تھی۔ ایران کے
شاہی بنک نے وہ آسانیاں پیدا کر دی جو پہلے موجود نہ تھیں۔ دیسی
مہموں کے جوش کو بھڑکا دیا ہے۔ ناصری کمپنی جو ایرانی سوداگروں کی
ہے ۱۸۸۹ء میں قارون بندر پر تجارت کرنے کو قائم ہوئی اس نے دو
چھوٹے چھوٹے اگبوٹوں سے کام شروع کیا بعد ازاں ایک اور اگبوٹ
خرید لیا گیا۔ اور وہ اب چیزوں کے واسطے خط و کتابت کر رہے ہیں۔ اون کے
پاس ایک گھوڑوں کا ٹرمیوے ہے جو تقریباً ڈیڑھ میل لمبا ہے۔ اور پل

نیچے کی ندی کے درمیان اسباب منتقل کرنے کے واسطے۔ جہاں اہواز کے
آبشار جہازوں کو نہیں چلنے دیتے۔ اس تجارتی مجلس کو بڑی مدد پہنچتی
ہے ہو سکتا ہے کہ یہ پرانی خوشحالی کو زندہ کرتے۔ جسکی وجہہ سے قارون
کی وادی آجکل کی دریائے نیل کی وادی کے برابر تھی

میسیشرز لنچ برادرز کا بھی ایک آگبوٹ دریائے قارون کے نچلے حصہ
میں چلتا ہے اور ایک مضبوط بہنے والی کشتی ندی کے اوپر کے حصے میں
اون کے اور ناصری کمپنی کے درمیان بمبئی اور شستر میں خط وکتابت ہوتی
رہتی ہے شستر کی برآمد کی چیزوں میں سے ایک امریکہ کا مٹی کا تیل ہے
جو شستر کے تیل کی بجائے لمپوں میں جلایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ بہا بہا
سال سے وہی کچا تیل استعمال کیا جاتا تھا۔ کچے تیل میں چونکہ بنزین بہت
ہوتا ہے اسلئے لیمپ میں بہاکا ایٹھنے کا بہت خطرہ ہوتا ہے۔ جو شستر
کے باشندے ایک بہتر چیز خرید سکتے ہیں وہ امریکہ کا تیل خریدتے ہیں
شستر کے تیل کے چشمے وہاں کے ایک سادات کے خاندان سے
متعلق ہیں۔ اور چہ روسی کانون کی مجلس کے حلقے میں نہیں تھے۔ اگر ناصری
کمپنی قارون وادی کے ذرائع کو پہیلانا چاہے تو یہ تیل کے چشمے عملی طور پر
مزاحمت کریں گے ۔"

کچھ مدت سے بلجیم نے بھی ایران میں بہت دلچسپی ظاہر کی ہے۔ ٹریمو ے
کمپنی۔ طہران کا شیشے کا کارخانہ۔ اور مضافات کی چقندر کی کہانڈ کا کارخانہ
یہ سب چیزیں بلجیم کے روپے سے قایم ہوئی ہیں اور خیال کیا جاتا ہے کہ ہالینڈ
بھی اپنا راستہ ایران میں نکالنا چاہتا ہے۔ ممکن ہے کہ قارون وادی کی آبپاشی
کی تجویز میں اسے موقعہ ملجائے۔ ایران میں مختلف اقوام کے حقوق جمع ہو جانے
سے اوس کی قومی آزادی پر بہت اچھا اثر پڑیگا اور سے اپنے قومی ذرائع کو
پہیلانے اور ایک حکومت قایم کرنے کا موقع ملجائے گا۔ ایک مستحق ولیعہد
امن چین سے تخت پر بیٹھ جانے سے ملک کی ترقی اور خوشحالی پر بہت
اچھا اثر پڑتا ہے۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ اس خیال سے جو شاہ مرحوم کی طویل

دوران حکومت سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا تھا۔ اور خیال وفاداری نے جو اس سے وہ رکھتے تھے۔ اصلی وارث کے حق میں ناصر الدین شاہ کی وصیت کو بہت استحکام بخشا۔

ایران کے موجودہ حکمران قوم کے لوگ موروثی طور پر فرقہ قاچار کے سردار ہوتے ہیں اور اتبک اس حالت کی رسومات کو قائم رکھتے ہیں اور انہوں نے اپنی جنگجوئی کی بہادرانہ عادات کو چھوڑکر عیش و عشرت اور عیاشی کو اختیار نہیں کیا۔ اور یہی چیزیں تھیں جن کی وجہ سے ایران کے بہت سے بادشاہوں کی طاقتیں برباد ہوگئیں اور زندگیاں تباہ ہوئیں۔ موجودہ حکمران خاندان تک شہزادے محلوں میں بند رہتے تھے۔ اور اون کی تعلیم و تربیت عورتوں اور خادموں کے سپرد ہوتی تھی۔ اور بادشاہ کی وفات تک اوس کے وارث کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ اوسوقت ایک لونڈی کا لڑکا بھی تخت پر بیٹھنے کا ویسا ہی مستحق سمجھا جاتا تھا۔ جیساکہ ایک نہایت مغرور شہزادی کا جسکو ایک شہنشاہ کی منکوحہ ہونے کا فخر حاصل تھا۔ تقریبًا چارسو سال پیشتر تک یورپ کی طرح ایران میں قتل کے ذریعہ سے تخت پر قبضہ کیا جاتا تھا۔ تخت کے تمام وارث یا تو اندھے کر دئیے جاتے تھے یا جلاوطن کر دئیے جاتے تھے۔ خاندان صفویہ کا جوکہ خاندان قاچار سے پیشتر حکمران تھا یہی دستور تھا۔ لیکن تبدیلی کیوجہہ سے جو اسوقت واقعہ ہوئی یہ خوفناک دستور غائب ہوگیا۔ اور جو ستورات ان جنگجو قوموں کے خیالات کے موافق تھے وہی پھر قائم کئے گئے۔ شاہ قوم کے وقت میں شہزادے بڑے بڑے علاقوں میں مامور کئے جاتے تھے اور اپنے عہدوں کے اختیارات اور ذمہ واریوں میں کام کرتے تھے

ایران کی بابت یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہاں ایک خاندانی جمہوری حکومت ہے سوائے خاندان شاہی کے لوگوں کے اور جنگجو قوموں کے سرداروں کے جن کو جنگی امرا کی حکومت کہنا چاہیئے۔ اور کسی کا عہدہ موروثی نہیں ہوتا لیکن ایک قسم کا خطابات کا سلسلہ ہے جن کی وجہہ سے اون کو حاصل

کنندوں کو بعض حقوق ملجاتے ہیں اور ان کی بہت قدر کیجاتی ہے خطابات سے براے نام کوئی خاص صفت عقل یا بہروسہ ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً معین الملت، معتمد الدولہ، معتبر السلطان یہ اعلیٰ درجہ کی بیگمات کو بھی عطا کئے جاتے ہیں۔ کسی جانور کا نام کبھی خطابات میں شامل نہیں کیا جاتا مینے صرف ایک مثال اس امر کے خلاف سُنی ہے۔ ایک فرنگی کو اس کے ایرانی مربیوں نے شاہ کے سامنے پیش کیا اور عرض کیا کہ اسے خطابات حاصل کرنے کی بہت خواہش ہے۔ شاہ نے جو کہ مذاق کو بہت پسند کرتا تھا چہرے پر عزت کی خواہش کے آثار دیکھکر کہا اچھا یہ فخر الملک ہے۔ نیا امیر نہایت ادب سے شکریہ ادا کرنے کو تھا۔ اُسنے کہا کہ حضور والا میں آپ پر قربان ہوں گا۔ اور پھر دبی زبان سے کہا کہ شیر کو کم از کم ایک لیلے کی روزانہ ضرورت ہوتی ہے۔

شاہ اوس کے پرمعنی الفاظ پر ہنس پڑا۔ اور کہا کہ اچھا اسے ملجایا کریگا جبتک کوئی خاص ہدایت نہو خطاب کے ساتھ کوئی انعام ملنا ضروری نہیں ہے اس خطاب کے ہونے کے طور پر شاہ کے خیال میں علی قلیخان کا قصہ ہوگا جو کہ شاہ سلیمان کے اوردوں میں سے تھا۔ شاہ عباس کے زمانے میں یہ سردار ہمیشہ قید رہتا تھا سوائے اوس وقت کے جبکہ ملک کو اوس کی خدمت کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس لیے اوسکا نام شیر ایران مشہور ہوگیا۔ کیونکہ لوگ کہتے تھے کہ وہ ہمیشہ زنجیر سے بندھا رہتا تھا سوائے اس وقت کے جب اوسکو لڑانے کی ضرورت ہوتی تھی۔

شاہ جسکو چاہے سب سے ادنے درجے سے سب سے اعلے درجہ تک پہنچا سکتا ہے سوائے خانہ بدوشوں کے سب سے زیادہ طاقتور فرقے کے جنمیں سرداری اعلے درجے کے خاندانوں کے بڑے بڑے لوگوں تک محدود ہوتی ہے۔ یہ لوگ ایک ہی بزرگ کی دو نسلوں کی بجائے ہوتے ہیں جب ایک پارٹی ذی اختیار ہوتی ہے تو دوسری اوس کی مخالف

ہوتی تھی۔ ایک جرگے کا سردار اپنے آپکو سب سے معزز خطاب یافتہ درباری سے اعلیٰ سمجھتا ہے۔ لہذا فرقوں کے سرداروں کو ہم معروفی امرا کہہ سکتے ہیں بادشاہ اپنے اختیار سے سلسلہ وراثت کو بدل سکتا ہے اور بھتیجے کی جگہ چچے کو مقرر کر سکتا ہے اور بعض اوقات بڑے بھائی کی جگہ چھوٹے کو دے سکتا ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ جرگے کے سرداران کے خاندان کے سرداروں میں سے ہوں۔ چھوٹے لڑکے اور بھتیجے شاہی گارد میں بھرتی کئے جاتے ہیں۔ اس طرح شاہ اپنے عقلمندانہ تبادلے اور انتخابات کے ذریعہ سے اپنا تسلط قائم رکھ سکتا ہے۔ سرداروں کا تبادلہ ہمیشہ آرام سے نہیں ہوتا۔ وحشی فرقے کے لوگ جو شرطی زمینداری کی دستور کے مانند سست سپاہیوں کیطرح کسی سردلعزیز افسر کے گرد جمع ہو رہتے ہیں۔ بعض اوقات ایسے بغیر لڑائی کے عزت سے گرنا پسند نہیں کرتے۔ لیکن آخر شاہ کا حکم غالب آتا ہے اور نئے سردار کی حکومت شروع ہو جاتی ہے۔ اور جبتک قسمت یاور ہوتی ہے اور شاہ کی مرضی ہوتی ہے جاری رہتی ہے۔

اس کی ایک مشہور مثال جولائی سنہ ۱۹۰۲ء میں ظاہر ہوئی۔ جبکہ جہان شاہ خان البیگی جرگہ شاہ سیوند کے افشار والے حصے کی سرداری سے محروم کیا گیا تھا۔ یہ جرگہ اردبیل سے طہران تک پھیلا ہوا ہے مشہور نادرشاہ اسی جرگے کا ایک سپاہی تھا۔ اور اوس کی نو آبادی سے تعلق رکھتا تھا جو ترکمانوں کی سرحد پر بسائی گئی تھی سرداروں کی برطرفی کا بڑا باعث یہ تھا کہ اوس نے اپنی بیوی کو اپنے ہاتھ سے مار ڈالا تھا جو اس کے چچا کے بیٹے رحمت اللہ خان کی بہن تھی جو اس کا عہدے اور اختیار میں رقیب تھا۔ جہان شاہ نے بے انصافی سے اسپر بے وفائی کا الزام لگایا تھا اور اس کے مکان پر جا کر اوس کو باہر بلایا باوجودیکہ وہ قرآن شریف ہاتھ میں لے کر باہر نکلی تاکہ اس مقدس کتاب پر اپنے بے قصور ہونے کی قسم کھائے اوس نے گولی سے مار دی۔

جہان شاہ تب اوس شخص کی تلاش میں گیا جس کے ساتھ اوس کا
ناجائز تعلق ہونے کا شک تھا۔ یہ خبر شاہ کے پاس پہنچائی گئی جو
اس وقت عراق میں خیمہ زن تھا۔ اس نے حکم دیا کہ جہان شاہ کو
معزول کر کے رحمت اللہ شاہ کو جرگے کا ایلبیگی مقرر کیا جائے۔ اور
جہان شاہ کو گرفتار کر کے قیدی کے طور پر طہران بھیجا جاوے۔ حشمت اللہ
شاہ مرحوم کا بھتیجا اور علاقہ خمسہ کا حاکم تھا جس میں شاہ معہ اپنے جرگے
کے مقیم تھا۔ اوس کو حکم ہوا کہ شاہ کے اس حکم کی تعمیل کرے
اس معاملے کی بابت بہت سے تار آتے جاتے رہے۔ جہان شاہ کو
اختیار اور روپے کے ذریعے سے سب خبر پہنچتی رہی۔ ... اور
چونکہ اس کے ساتھ مارٹینی بندوقوں سے مسلح بہت سے جوان تھے اسلئے
حاکم کو ہدایت کی گئی کہ بڑی ہوشیاری سے اس کام کو کرنا۔ چنانچہ اس
کو حکمت عملی سے کام لینا پڑا۔ اوس نے یہ مشہور کر دیا کہ جرگوں میں اسلئے
جاتا ہوں کہ ایک سرکش فرقے کو تنبیہ کیجائے اس لئے اس نے جہان شاہ
سے کہا کہ مجھے مدد دو۔ اس سے اوس کو اپنے جرگے والوں کو جمع کرنے
کا خوب موقع مل گیا۔ شہزادے حاکم نے اپنے ساتھ ایکسو سوار اور چار سو
پیادے لئے۔ اور اشیائے حرب کا کچھہ خیال نہیں کیا گیا۔ اور بہت تھوڑے
سے سامان کے ساتھ چل دیئے۔
رحمت اللہ حاکم کے ارادے سے بخوبی واقف تھا۔ مگر ہر دلعزیز سردار
کی طاقت اور اختیار کی وجہ سے اپنے خلاف تیاریوں میں کسی طرح دخل
نہیں دے سکتا تھا۔ اسلئے اوسے شاہ کے حکم کی تعمیل کے بارے میں
صرف ایرانی فوج پر بھروسا کرنا پڑا۔ وہ سوائے اس کے اور کچھہ نہ کر سکا
کہ اوس نے ایک خیمہ لگوا کر اوس میں حاکم اور اس کے سپاہیوں کا
کھانا تیار کروا دیا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں حاکم اس سے اور جہان شاہ سے
ملنے والا تھا۔ یہاں پہنچکر وہ دونوں معہ چند جرگے کے بزرگوں کے قدیمی
رسم کے مطابق حاکم کے استقبال کو گئے۔ جہان شاہ نے بڑی گرمجوشی

سے گھوڑے پر سے اتر کر سلام کیا اور خیمے کے قریب پہنچکر جس کو اس کے
مخالف نے تیار کیا تھا اوس نے اندر جانے اور اس کی دعوت میں شریک
ہونے سے انکار کیا۔ اوس نے کہا کہ میں اپنے کیمپ میں جانا زیادہ پسند
کرتا ہوں جو کچھہ فاصلہ پر تھا اوس کے پندرہ ہزار سوار بھی اوس کی
ساتھہ چلے گئے۔ حاکم کو معلوم ہوا کہ جہان شاہ خطرناک ہو گیا ہے کیونکہ
اس کے مسلح ساتھی بڑے وفادار ہیں اور تند جنگجو فرقوں کے لوگ
اس کی مدد کرنے کو تیار ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اوس نے ملاقات کرنے
کی جگہ پر اسے گرفتار کرنے کی تجویز سوچی تھی۔ لیکن جہان شاہ کے
حق میں لوگوں کی قوت اور خیالات کا ایسا زبردست تھا کہ ایسی کوشش
نہیں کیجا سکتی تھی۔ اسلئے اسنے ظاہر طور پر اپنے آنے کے سبب کا اعلان
کرنے کا ارادہ کیا۔ کھانے کے بعد اوس نے جرگہ کے بزرگوں کو جمع کیا
اور جہان شاہ کو اپنے سامنے بلایا۔ مگر اس نے آنے سے انکار کیا اسپر شہزادے
نے اوس کی معزولی اور رحمت اللہ شاہ کی تقرری کا اعلان کیا اور ساتھہ ہی
شاہ کا حکمنامہ بھی دکھلا دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اوسوقت اس نے جہان
شاہ کو سخت گالیاں سنائیں اور دوبارہ اوس کو حاضر کرنے کا حکم بھیجا۔
اس اثنا میں وہ سردار اپنے جرگہ کے لوگوں سے مشورہ کر چکا تھا
جن کی تعداد پندرہ ہزار کے قریب تھی۔ اور وہ بریچ لوڈروں سے مسلح
تھے۔ جب اوس کو معلوم ہو گیا کہ وہ سب لوگ اسکے مددگار ہیں اور اس
کے رقیب کی حکومت کے خلاف ہیں۔ اوس نے آزادی سے کارتوس
بانٹ دیئے اور حاکم کے ساتھہ اس معاملہ میں بحث کرنے کا ارادہ کیا اس
نے اپنے بہت سے لوگوں کو کچھہ فاصلے پر چھوڑ دیا۔ اور صرف تھوڑے
سے آدمیوں کے ساتھہ حاضر ہوا۔ حاکم نے اوسے شاہ کے حکم کی خبر دی
اور کچھہ غصے کی باتیں کرنے کے بعد شاہی فرمان دکھلایا اور کہا کہ تم یا
کوئی تمہارا ساتھی اس کو پڑھ لے۔ جب ایک بزرگ کاغذ پکڑنے کو آگے
بڑھا۔ تو جہان شاہ نے اپنے تمام ساتھیوں کو پیچھے کیطرف اشارہ کیا۔ حاکم

نے اس اشتہار سے ڈر کر اپنی گارد کو حکم دیا کہ جہان شاہ کو گرفتار کر لو۔ اتنے میں ایک شور کی آواز آئی کہ دوڑو دوڑو دھوپ بج گئی۔ جہان شاہ کے بعض آدمیوں نے سپاہیوں کے سر کے اوپر سے گولیاں چلائیں۔ مگر انہوں نے ابتداً چند گولیاں ماریں اور جرگہ والوں میں سے چند آدمیوں کو ہلاک اور زخمی کیا۔ تب جرگہ والوں نے اچھی طرح گولیاں برسانی شروع کیں اور حاکم اور سپاہی جلدی سے بھاگ نکلے۔ سب لوگ بعض پیدل اور بعض گھوڑوں پر اپنی جان بچانے کو بھاگے اور تند خو دشمن اونکا پیچھا کرتے رہتے تھے۔ بعض نوکر اپنے مالک کے ہمراہ رہے اور دو دفعہ جب اوس کا گھوڑا زخمی ہو گیا اوس کو پھر اور گھوڑے پر سوار کیا کہتے ہیں کہ جرگہ والے لوگ شہزادے پر تاک کر گولیاں مارتے تھے۔ کیونکہ وہ اپنے لباس کی وجہ سے بہت آسانی سے نظر آ سکتا تھا۔ تیسری دفعہ وہ اور اسکا گھوڑا دونوں گر پڑے اسکے دو گولیاں لگی تھیں تب وہ گرفتار کیا گیا۔ کچھ کپڑے اوتار لئے گئے اور بہت بے عزتی کا سلوک کیا گیا۔ اوس کے کیمپ تک پیچھا کیا گیا جسپر قبضہ کر کے لوٹ لیا گیا اس میں ۳۵ آدمی مارے گئے اور پچاس زخمی ہوئے۔ شہزادے کا ایک زخمی افسر بھی اوس کے ساتھ پکڑا گیا اور تین روز تک وہ قید رہے۔

اس اثناء میں جہان شاہ اپنی دلیرانہ وارفتگی سے ہوش میں آ کر اپنے جرم کا خیال کر کے گھبرا گیا اور اس بدلے سے ڈر کر جس کو وہ یقینی سمجھتا تھا۔ اس نے اپنا قیمتی اسباب باندھا اور چند ہمراہیوں کو ساتھ لے بحیرۂ خضر کے ساحل کو چل دیا۔ ایک آگبوٹ میں بیٹھکر اوسکا باکو بھاگ جانے کا ارادہ تھا لیکن وہ اسمیں کامیاب نہو سکا۔ کیونکہ مطلع کی وجہ سے روس کے ساتھ آمد و رفت بالکل بند تھی اسواسطے اس نے شمالی سرحد کے ساتھ ساتھ جانے کا ارادہ کیا۔ جب ایک ایرانی رسالے نے اوس کی پیروی کی تو اوس نے اپنا تمام اسباب چھوڑ دیا اور بڑی مشکل سے تبریز پہنچا۔ جہاں اوس کو قاضی القضاۃ کے محل

پناہ لینی پڑی۔ آخرکار وہ ایسی حالت میں چھ مہینے تک زندہ رہکر مرگیا جس کو وہ غالباً پسند نہیں کرتا ہوگا۔

سنہ ۱۸۹۲ء کے آخیر میں میں تبریز میں تھا۔ جبکہ وہ وہیں تھا۔ مجھسے کہا گیا کہ وہ شخص جو ایک وقت میں افشر کے شاہسوندوں کا مورو ثی سردار تھا۔ اب بہت غمگین معلوم ہوتا ہے اور ان مجرموں کے گروہ میں تکلیف اوٹھا رہا ہے۔ جو قتل کے بدلے سے بچنے کے لئے پناہ میں آئے ہوئے تھے۔

جب اس واقعہ کی خبر شاہ کو پہنچی اوس نے خمسہ اور کاسوین کی پیدل رجمنٹوں کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ اوس کا اثر یہ ہوا کہ جرگہ والے لوگ بکھر گئے۔ سزا دینے کا کام آسان ہوگیا اور نئے سردار کی حکومت جم گئی اس حادثے کے بہت عمدہ سیاسی نتائج نکلے اس سے قاچار بادشاہوں کو اپنی حکمت عملی سے حکمران قبیلوں کو بکھیرنے اور خطرناک فرقوں کی مخالفت دور کرنے اور طہران کی حکومت کا سکہ اچھی طرح بٹھلانے کا موقع ملگیا۔ جہان شاہ نے اپنی طاقت کو رفتہ رفتہ بڑھایا تھا اوس نے اپنے اہل جرگہ کے اعلے قسم کے ہتھیاروں کی تعداد بڑھادی اور کارتوسوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کرلیا۔ اس لئے بلحاظ اوس کی دولت کے بلحاظ اوس کے رسوخ اور ہردلعزیزی کے ضرور تھا کہ اوس کی طاقت کو نہایت خطرناک سمجھا جاتا۔ درحقیقت وہ اپنے تکبر کی وجہ سے اپنے غصہ کو ضبط نہ کرسکا جس نے اوس کی آزادی کو برباد کیا اور اس کی زندگی کا فیصلہ کردیا۔ اہل جرگہ کہتے تھے کہ جس بیوی کو اس نے مار ڈالا تھا وہ بالکل بے گناہ تھی۔ چونکہ وہ خود وحشیانہ عادات اور جوشیلے مزاج رکھتے تھے اوہنوں نے خیال کیا کہ اوس کو بہت سخت سزا دیگئی تھی اس لئے وہ اسکو گرفتاری اور معزولی سے بچا لینے کو اوس کی حمایت میں کھڑے ہوگئے۔

جیسا کہ چارسو سال پیشتر انگلستان میں ہوتا تھا ایسے ایران میں ہر ایک مسجد جائے پناہ ہے۔ قاضی القضات کے گھر میں بھی پناہ ملجاتی ہے۔ یہ پنا

کا حق تمام ایران میں رائج ہے۔ لیکن اس سے کچھ مدت تک فایدہ اٹھانے کے لئے روپے کی بہت ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر الٰہی مدد نہ پہنچے یا جو کچھ پاس ہو وہ ختم ہو جائے تو بھوک اوس کو باہر نکلنے پر مجبور کرتی ہے پناہ کی حالت میں مصالحت یا کوئی اور انتظام ہو سکتا ہے جس سے وہ سزا سے بچ جائے۔ یا تو رشتہ دار فدیہ ادا کر دیتے ہیں یا ضمانت دے دیتے ہیں یا معاوضہ دینے کا فیصلہ ہو جاتا ہے ایک انصاف ظلم، یا بدلے کا مفرور اکثر کسی غریب کے بڑے آدمی کے گھر میں پناہ ڈھونڈتا ہے جسکے گھر میں چھپا کرنے والے بغیر چند رسوم کے داخل نہیں ہو سکتے اس ہو سطالبات یا الزامات کا جواب دینے یا بھاگ کر کسی زیادہ امن کی جگہ جانے کا موقع ملجاتا ہے۔

طہران میں ایک بہت بڑی توپ ہے جسکی بابت یہ مشہور ہے کہ اسے نادرشاہ دہلی سے لایا تھا اور اوسکا نام موتی توپ ہے کہتے ہیں کہ جب یہ دہلی کو شاہی سامان میں رکھی ہوئی تھی تو اس کے منہ کے قریب ایک موتیوں کا ہار لٹکایا ہوا تھا۔ غالباً یہی بات ہوگی کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ بڑی بڑی توپوں کی اس قدر عزت کیجاتی تھی کہ تقریباً اوس کو معبود سمجھا جاتا تھا۔ شیر پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے توبچی توپوں کو سلام کیا کرتے تھے۔ اور اون کی نالیوں میں چمکتے پھولوں کے ہار ڈالا کرتے تھے۔ جو کہ سندروں اور تہواروں میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ موتی ری کی توپ ایک اچھی جگہ میں شاہی محل کے قریب کھی ہوئی ہے اور ہمیشہ سے اوس کو کسی حد تک مقدس سمجھا جاتا ہے اور جو شخص اوس کو چھو کر اوس کے قریب کھڑا ہو جائے وہ پناہ کا حقدار ہو جاتا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ تین سو پیدل جوانوں کی ایک رجمنٹ نے جو اپنے کام میں غیر حاضر تھی اور اس لئے قابل سزا تھی۔ کرنیل پر شبہ کرکے کہ شاید وہ تنخواہیں ضبط کر لے اوس کے گھر پر حملہ کیا اور پھر توپ کے پاس جاکر پناہ لی۔ اوس لوگوں کو وقت پر خبر ہو گئی اور انہوں نے صحن کا دروازہ بند کر لیا جب

سازش کنندے اندر داخل نہ ہو سکے تو انہوں نے دروازے پر پتھر مار کر اور کرنیل کی گاڑی کو توڑ کر اپنا غصہ نکالا۔ اس طرح بہت ہلچل مچ گئی اور بہت افواہیں پھیل گئیں سب وہ موتی توپ کی طرف چلدیئے۔ اور زور سے چلا کر اپنی شکایتیں بیان کرنی شروع کر دیں۔ چلانے کی آواز محل شاہی میں پہنچی۔ اس طرح شاہ ناصرالدین کو سب باتیں معلوم ہو گئیں اور سپاہیوں کی شکایتوں کو رفع کروایا۔ کرنیل کے خلاف ایک الزام یہ تھا کہ اوس نے لوگوں کو روپیہ قرض دیکر ناجائز طریقوں پر اون کی دیہاتی زمینوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ کیونکہ وہ اسی ضلع کا زمیندار ہے اور اپنے مقبوضات کو بڑھانا چاہتا ہے۔ یہ علاقہ لارجانٹ کی رجمنٹ تھی۔ ایک انگریز نے جو کہ طہران میں رہتا تھا اور اوسکا نام لارجی جانی مشہور ہو گیا ہے کہا یہ تمام واقعہ آئرلینڈ کے واقعات سے مشابہت رکھتے ہیں۔

ایران کی جنگی طاقت کا ایک بڑا حصہ جنگجو خانہ بدوشوں پر مشتمل ہے۔ اور شہنشاہ کی ہمیشہ یہ حکمت عملی رہی ہے کہ وہ ان کے ساتھ ذاتی تعلقات پیدا کرے تاکہ ہر ایک جگہ اوس کو اپنا اعلیٰ حاکم سمجھے اس حکمت عملی کو چلانے کے واسطے شاہی گارڈ کو جس کو غلام شاہ کہتے ہیں اور جو گھر پر اور سفر میں بادشاہ کی حفاظت کرتی ہے۔ نہایت عمدہ لڑنے والے جرگوں کے سردار شامل کئے جاتے ہیں۔ یہ سلطنت کے تمام حصوں سے آتے ہیں۔ ان کے افسر اور سردار بڑے بڑے با رسوخ خاندانوں میں سے ہوتے ہیں تاکہ وہ سرداروں کی وفاداری اور نمک حلالی کے کفیل ہوں

وقتاً فوقتاً سب بدلتے رہتے ہیں۔ اس طرح ایک تھوڑی سی خدمت کا انتظام جاری ہے۔ تاکہ جہانتک ہو سکے بہت سے لوگوں کو شاہی گارد میں خدمت کرنیکا موقعہ مل سکے۔

لفظ غلام ہمیشہ سے شاہی گارد والوں کے واسطے استعمال کیا جاتا ہے ہر شخص جس کو گارد میں شامل ہونے کی اجازت ملجاتی ہے۔ غلام شاہ کا قابل رشک لقب کا دعوے کرتا ہے۔ یہ گارد بہت پرانے زمانے کی ہے اور اسمیں نوکر ہونا بہت اچھا سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس سے بادشاہ کی توجہ حاصل کرنے اور اس کی عنایتوں سے مستفید ہونیکا موقعہ ملتا ہے۔ بادشاہ طہماسپ جیسے دسویں صدی میں حکومت کی ہے کہتے ہیں کہ شاہی گارد ہی سے ترقی کی تھی۔

طہران کے اجنبی سفیروں کے نامہ بر سب غلام کہلاتے ہیں۔ یہ لقب نہایت عزت کے طور پر قبول کیا جاتا ہے۔ اس کے معنی ہیں ایک نہایت دلیر اور معتبر گھوڑچڑھا۔ نوکر جو موت تک ان حقوق کو بچانے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے سپرد کئے جاتے ہیں۔

گارد کی کل تعداد بارہ سو پچاس ہے جنمیں سے دوسو ایلائیٹ ہیں جن کو غلام پیش خدمت کہتے ہیں۔ ان میں سے اکثر فرقہ قاچار میں سے ہیں خود بادشاہ اسی قوم سے ہیں۔ جسکا اظہار وہ نہایت عام طور پر کرتا ہے۔ اور اسی طرح اوس کے فرقے کا ہر ایک آدمی بادشاہ کا ہم فرقہ ہونے کا فخر کرتا ہے یہاں مہر المطلب شاہی مہر سے ہے جسمیں لکھا ہے۔ ناصرالدین شاہ قاچار۔ یہ اعلی درجہ کی گارد والے نہایت شریف سمجھے جاتے ہیں اور اون کو شریف گھوڑچڑھے کہا جائے تو بجا ہے۔ دستور کے موافق اونکا دربار اور محل کی نوکریوں کا حق ہے۔ مثلاً دربان۔ دوارپال قاصد وغیرہ اون کی خدمات تاحیات اور موروثی ہوتی ہیں۔ بیٹا باپ کی جگہ مقرر ہوتا ہے اون کے گھوڑوں کا ساز و سامان عجیب طرح کا ہوتا ہے۔ گردن کے تسمے۔ سینہ کی تختیاں اور سروں کے سنگار سب چاندی کے ہوتے ہیں۔ باپ کے بعد بیٹا

اُن کا مالک ہوتا ہے اور یہ چیزیں وراثت کی نہایت عمدہ اشیاء بن گئی
ہیں۔ شاہ اپنی گارڈ کے اعلےٰ درجہ کے جرگہ والوں کا بہت لحاظ کرتا تھا۔
اوس کی عمدہ خصلتیں بطور ایک بادشاہ کے جس کو خانہ بدوشی کی زندگی
سے دلچسپی ہو۔ خیمے میں رہنے کو پسند کرتا ہو اور تمام اپنے اردگرد کے
لوگوں سے واقفیت رکھتا ہو۔ ایک فوجی معائنے کے وقت میں خوب
اچھی طرح ظاہر ہوئیں جو میں نے چند سال ہوئے طہران میں دیکھا تھا۔ یہ معائنہ
ایک خاص قسم کا تھا۔ جو سویڈن کے افسروں کی تشریف آوری کی تقریب
میں ہوا تھا۔ یہ افسر ناروے اور سویڈن کے بادشاہ اوسکار ثانی کی طرف
سے شاہ ایران کے واسطے سرافین کا اعلیٰ تمغہ لیکر آئے تھے۔ جہانتک
ممکن تھا بہت سی فوجیں اردگرد کے اضلاع سے اون میں شامل ہونے
کو طلب کیگئیں۔ شاہی گارڈ کے بہت سے سپاہی جمع ہو گئے۔ جب وہ
پاس سے گذر رہے تھے تو شاہ معظم آگے بڑھے تا کہ ذرہ قریب ہو جائیں
اور ہر دستہ کیطرف مخاطب ہو کر اور ہر ایک کمانیر کا نام لیکر بہت تعریف
اور خوشی کے کلمات کہے۔ اُن لوگوں کو اس طرح بذات خود جاننے اور
اُن کے افسروں سے واقفیت کی وجہ سے اون میں ایک خوشی کی کھنجناہٹ سی
سی پیدا ہو گئی۔

اوسوقت بختیاری گھوڑوں کی چالاک شکل کیطرف خاص طور پر توجہ
مبذول ہوئی تھی۔ ایرانی تماشبین ان پہاڑی سواروں پر اپنا فخر اسطرح
ظاہر کرتے تھے "یہ آتے ہیں بختیاری" وہ اپنی گول نمدے کی بے کنارہ
ٹوپیوں کی وجہ سے بہت آسانی سے توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتے تھے
گذرتے وقت اون کی صف خوب سیدھی رہتی تھی۔ بختیاری تمام جنگجو
جرگوں میں سے شمار اور طاقت میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں اور سواری
اور پیادہ دونوں طرح کے فنون جنگ میں مشہور ہیں۔ ایران میں اونکی
نسل نہایت قدیمی ہے اور قریبا قرنوں سے لرستان کی پہاڑیوں پر اونکا
قبضہ ہے۔ باقی سب جنگی فرقوں کی بابت یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان سے

لیے گئے ہیں اور دوسرے ملکوں کی نسلوں میں سے ہیں۔ جیسے عربی، یونانی، ترک، تاتاری۔ بہت سے اچھے اچھے لوگوں سے جن کو جانچنے کا بہت موقعہ ملا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم سپاہیوں کا ایک نہایت عمدہ ذخیرہ ہے۔

میں شاہ کے وزیراعظم سے ایک بختیاری پلٹن کے نادرشاہ کے ماتحت قندھار فتح کرنے کا ایک نہایت پر تعریف بیان سنکر بہت محظوظ ہوا جیسے ان کے پہاڑی علاقوں کو فتح کرنے کے بعد اون کو افغانستان اور ہند کے خلاف اپنے ساتھ ہوکر لڑنے پر آمادہ کرلیا۔ وزیر نے بیان کیا کہ ایکدفعہ ایران کی فوج قندھار کو یک لخت فتح کرنے کی کوششوں میں ناکام رہی۔ شام کے وقت جبکہ سب آرام کررہے تھے بختیاریوں کے ایک دستے نے حملہ کرکے شہر کے بچاؤ کی ایک ایسی جگہ لے لی جس کو وہ دن کے وقت فتح نہیں کرسکتے تھے۔ فتحمندوں کی آوازوں نے سوئے ہوئے حملہ آوروں کو جگا دیا۔ نادرشاہ نے فوراً اس کامیابی کو غنیمت جانکر حملہ کرکے شہر پر قبضہ کرلیا۔

ان خانہ بدوش جنگوں کا بیان ختم کرتے ہوئے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ اپنے آپ کو مقیم باشندوں سے بہت اعلےٰ خیال کرتے ہیں اور اپنا فخر اس مثل میں ظاہر کرتے ہیں خیموں کا ایک آدمی قصبے کے دو آدمیوں کے برابر ہوتا ہے۔

میں پہلے بیان کرچکا ہوں کہ شاہ جس کو چاہے ادنے سے ادنے درجے سے اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ تک پہنچا دے۔ مگر جنگی فرقوں کے بارے میں اوسکا یہ حق محدود ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں جمہوری سلطنت کا خیال موجود ہے جسکی وجہ سے وہ خوش ہوکر ایک نہایت ادنے درجے کے آدمی کو بادشاہ تسلیم کرلیتے ہیں۔ مساوات معاشرت جسے اسلام سب کے لئے منظور کرتا ہے اس نے ایرانیوں کو ایک سردار یا وزیر کے منتخب کرنے کے بارے میں کوئی نئی بات نہیں سکھائی۔ جو لوگ اختیار

کی جگہ پر مقرر ہونے کو حکمرانی کا حق سمجھتے ہیں وہ اس کے خاندان کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ درحقیقت ان میں مشہور ہے کہ ایسے آدمی کی شہرت اسیقدر زیادہ ہوگی جسقدر کم درجے سے وہ ترقی کریگا۔ ان کو معمولی درجے سے کئی ایسے آدمیوں کی مثالیں یاد ہیں جنہوں نے قوم کو ہیتناک ظلم اور ذلیل کرنے والے اجنبیوں کے پنجے سے چھڑا کر ترقی کے معراج کو پہنچا دیا ہے۔ وہ قواع لوہار کا حوالہ دیتے ہیں جو بے رحم غاصب بادشاہ ضحاک کے خلاف سازش کا سرگروہ تہا۔ اوس نے اپنی لہاطی کو اپنا جھنڈہ بنایا اور آخرکار اسے تخت سے اوتار کر قتل کر دیا اور خاندان پیشداد یاں کے شہزادے فریدوں کو اوس کی جگہ بٹھا دیا۔ جہاں وہ خود بیٹھ سکتا تہا۔ لوہار کی لہاتی سالہاسال تک شاہان ایران کا جھنڈا بنی رہی۔ نویں صدی میں یعقوب بن لیث جس کو صفادی کہتے ہے کیونکہ بچپن میں وہ برتن بنانے کا کام کیا کرتا تہا۔ محض اپنی اخلاقی قوت اور دلیری سے بادشاہ بنا تہا۔ وہ اخیر زندگی تک لوگوں کا طرفدار رہا۔ اور اپنی عادات کی سادگی کے واسطے مشہور تہا۔ اوس نے اپنے نام کے ساتھ اپنے پیشے کا نام صفاری شامل رکہا۔ اور کبھی بے رحمی یا ظلم کا مرتکب نہیں ہوا۔ دسویں صدی میں جب سبکتگین ایک سپاہی کی حالت سے ترقی کرکے بادشاہ ہوگیا ہم دیکھتے ہیں کہ اوسوقت انتخاب کے قاعدے کو وراثت پر ترجیح دیجاتی تہی اور اسپر عمل کیا جاتا تہا اور قوم نے اسے قبول کر لیا تہا۔ اوس کے انتخاب کی وجہ یہ تہی کہ اوس نے سلطنت کو ہندوستان تک پہیلا کر ایران کی فوج کا بول بالا کیا تہا اور نیز اوس کے بیٹے محمود نے بہت سی فتوحات حاصل کی تہیں جو اپنے والد کے بعد تخت نشین ہوا۔ اور سلطنت کو اور بہی بڑھا دیا۔ یہانتک کہ بغداد سے کاشغر تک۔ جارجیا سے بنگال تک اور اکسر سے گنگا تک پہیل گئی۔

جب ملک افغانی حکومت سے تکلیف اوٹھا رہا تہا اوسوقت معمولی لوگوں میں سے ایک شخص نادر قلی تہا جسنے ظالم کو برطرف کرنے اور ایران کو

آزاد کرنے کا خیال کیا پیشتر وہ قبیلہ افشر کا ایک معمولی سپاہی تہا۔ اوس
نے اپنی بہادری اور جرأت کی بدولت ترقی کی اور شاہی امرا اور سپہ سالار
کی تعریف کا اپنی کامیابیوں کو تاج پہنایا اور جب شاہ طہماسپ کا معصوم بچہ
عباس ثالث مر گیا تو امرا نے اوسے اپنا بادشاہ منتخب کر لیا۔ اب اوس نے
ظالموں کے خلاف جنگ کی اور دریائے آکسس سے دہلی تک اپنا سکہ بٹھا دیا۔
جہاں سے وہ اپنے ساتھ بہت سی لوٹ مار لایا جو آجتک ایرانی تاریخ کی
حماقت اور زیبائش کا باعث ہے۔ اسی بات سے نادرشاہ کی اخلاقی جرأت
ظاہر ہوتی ہے کہ اگرچہ وہ اسقدر اعلے عہدے پر پہنچ گیا تہا تاہم اوس
نے خوشامدیوں کو اپنے خاندان کی دہندلی تاریکی سے بڑے بڑے بزرگوں
کا پتہ نہیں لگانے دیا۔ اوس نے اپنی خاندانی برتری پر کبھی فخر نہیں کیا
برخلاف اس کے وہ اکثر اپنی غریبانہ پیدائش کا ذکر کیا کرتا تہا۔ ہمیں معلوم
ہے کہ اوسکا خوشامدی مورخ بہی انہیں کلمات پر اکتفا کرتا ہے کہ ہیرے
کی قیمت اوس کی اپنی چمک پر منحصر ہوتی ہے۔ نہ کہ چٹان جس میں وہ
پرورش پاتا ہے۔ اس مشہور و معروف آدمی کی خصلت کی بابت ایک
حکایت بیان کیجاتی ہے کہ جب اس نے اپنے مغلوب دشمن محمد شاہ بادشاہ
دہلی سے کہا کہ اپنی لڑکی کی شادی میرے بیٹے نصراللہ سے کردو۔ تو اوس نے
جواب دیا کہ تیمور کے شاہی گہرانے کی شہزادی سے شادی کرنیوالے کے لیے
ضروری ہے کہ سات پشت کی خاندانی بنیش کرے۔ نادر نے کہا کہ اوس سے
کہو کہ نصراللہ بیٹا ہے نادرشاہ کا اور پوتا ہے تلوار کا اور پڑپوتا ہے تلوار کا
علی ہذالقیاس سات چہوڑ ستر پشتوں تک شمار کرلے۔ نادرشاہ چونکہ چست
اور مضبوط آدمی تہا۔ کمزور و سست محمد شاہ سے سخت نفرت کرتا تہا۔ اوسوقت
کے ایک دیسی مورخ کا بیان ہے کہ وہ ہمیشہ ایک دلربا کو بغل میں اور اپنا ہیم
ہاتھ میں رکہتا تہا۔ وہ نہایت ہی ادنے درجے کا عیاش تہا اور محض ایک
کٹ پتلا بادشاہ تہا۔ اخیر میں بے اعتباری سے اوسکا دل ایسا سخت ہوگیا
کہ وہ ایک وحشی غارتگر اور قاتل بن گیا اور قتل سے اوس کی زندگی کا خاتمہ

ایرانی کہتے ہیں کہ اس نے نجات سے شروع کیا اور تباہی پر ختم کیا۔

ایرانی لوگ خوش مزاج اور صاف الوہم ہوتے ہیں اس میں شک نہیں کہ یہ اوصاف ان بلند میدانوں کی خشک اور صاف ہوا کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں جو رنج و غم کو دور کر دیتی ہے اور مذاق سے خوش ہوتے ہیں اور بہت زور سے ہنستے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ بہت چیزوں میں خوشی کے سامان ہیں۔ جب کبھی کوئی دلچسپ بات بیان کیجاتی تو شاہ مرحوم بہت جلدی خوش اور پسندیدگی کے آثار ظاہر کرتے۔ لوروز کے دربار میں تمام سفراء کو ایک نیم دائرے میں کھڑا کیا جاتا جنمیں سب سے اول ٹرکی سفیر ہوتا تھا۔ جب سلطان کا سفیر تقریر مبارکباد ختم کر چکتا تو شاہ معظم آگے کو بڑھتے اور آہستہ آہستہ ہر ایک سے چند باتیں کرتے کو پھرتے ہوئے آگے سے گذر جاتے جب کسی ایسے شخص کہ فارسی میں باتیں کرسکتا ہے تو ان کا چہرہ روشن ہو جاتا تھا جس سے ہم کلام ہوتے جسکو وہ جانتے ہوتے۔

ایک موقعہ پر عثمانی سفیر سے گفتگو کرنے کے بعد وہ ایک ایسے وزیر کی طرف بڑھے جو فارسی زبان کا ایک بہت بڑا عالم تھا۔ عثمانی سفیر ہمیشہ فارسی زبان میں بہت بڑا ماہر ہوتا ہے۔ کیونکہ طہران کی سفارت کے واسطے فارسی زبان لازمی ہے اس کے بعد ایک اور زبان کے ملاقات کو قریب آئے۔ اور جب دیکھا کہ میں ایک نہایت مشہور اور عالم ایک ایلچی کے سامنے کھڑا ہوں تو خوشی سے مسکرا کر کہا کیا تم نے کچھ فارسی سیکھ لی ہے۔ ایلچی نے نہایت سنجیدہ شکل بنا کر جواب دیا کہ "بلے چیزے میدانم" اسکا مطلب یہ تھا کہ تھوڑی سی جانتا ہوں۔ لیکن لفظ چیز سے سے انگریزی کی طرح یہ مطلب بھی ہوتا ہے کہ ایک چیز یا دو چیز ایک ایلچی کے منہ سے ایسے فقرے کا نکلنا نہایت موزون تھا۔ میں نے شاہ معظم نہیں آئے اور بہت خوشی ظاہر کی۔

ذیل میں ہر چیز کا خوشی کا پہلو لینے کی ایک مثال بیان کیجاتی ہے۔

مگر یہ مثال کچھ افسوسناک بھی ہے۔ ایک شہزادے نے جو کسی علاقہ کا حاکم
تھا۔ ایک فیصلہ میں ایک سوداگر کو حکم دیا کہ پچاس تومان جرمانہ ادا کرو۔
لیکن اگرچہ وہ مشہور دولتمند تھا۔ اوس نے کہا کہ میں یہ جرمانہ ادا نہیں
کرسکتا۔ کیونکہ اتنی رقم تو میں نے کبھی دیکھی بھی نہیں اور التجا کی کہ مہربانی
کرکے رحم کیجئے اور کوئی اور سزا تجویز کیجئے۔ تب حاکم نے کہا کہ یا تو پچاس
کچے پیاز کے گٹھے کھاؤ یا پچاس بید کھاؤ۔ یا پچاس تومان جرمانہ ادا کرو۔
ایرانی لوگ پیاز بڑے مزے سے کھاتے ہیں۔ سوداگر اس طرح اپنا
روپیہ بچتا ہوا دیکھکر بہت خوش ہوا۔ اور سمجھا کہ یہ سزا محض ناواقفیت
سے تجویز کیگئی ہے اسلئے اوسنے اپنے خوشی کے خیالات کو چھپا کر خوف
کا اظہار کیا۔ اور پیاز کھانا پسند کیا۔ اوس نے بڑی کوشش کی مگر آدھے
سے زیادہ نہ کھا سکا۔ تب اوس سے جرمانہ مانگا گیا۔ لیکن اوس نے
اب پچاس بید کھانے پسند کیئے۔ جب پچیس بید لگ چکے تو چلا کر کہنے
لگا۔ کہ میں پچاس تومان جرمانہ دونگا اب مت مارو۔ اسیر تو سے کھولدیا
گیا۔ اور شہزادے نے کہا کہ تم ایسے بے وقوف ہو کہ تمہیں تین سزاؤں میں
سے ایک پسند کرنیکا اختیار دیا گیا تھا۔ مگر تم نے تینوں کو برداشت کیا۔

ایرانی نوکر اپنی تنخواہ کو صرف نوکر رہنے کی فیس سمجھتے ہیں اور بالائی
آمدنی کو اصلی تنخواہ سمجھتے ہیں وہ ادہر اودہر کی چیزیں خریدنے کے بہانے
بنانے میں بہت چالاک ہوتے ہیں وہ اسواسطے نہیں خریدتے کہ اون
کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ اسواسطے کہ اون کو خورد برد کا موقع ملجائے
ایک نئے جمعدار نے اپنے مالک کے اردگرد دیکھا تو معلوم ہوا کہ اب
نئی خرید کرنے کا کوئی موقعہ نہیں ہے تو اوس کی نظر مرغیوں پر جا پڑی
جو تازہ انڈوں کے واسطے رکھی ہوئی تھیں۔ تاکہ بازار سے پرانے نہ خریدنے
پڑیں اوس نے کچھ گندے انڈے لاکر مرغی خانے میں رکھدیئے۔ جب
اون کی حالت کھانے کے وقت معلوم ہوگئی تو اوس نے کہا مجھے معلوم
ہوتا ہے کہ مرغیاں بوڑہی ہوگئی ہیں اور بوڑہی مرغیاں بعض اوقات

گندے انڈے دیدیا کرتی ہیں۔ اسلیئے یہ بہتر ہوگا کہ ان کو بیچ دیا جائے مگر نوجوان مرغیاں جو تازہ انڈے دیتی ہیں خرید کر رکھی جاویں ۔

یہ سچ ہے کہ نوکر اپنی فرصت کا وقت اچھی طرح نہیں گذارتے۔ مگر اون کے بعض خیالات اور تفکرات نہایت عمدہ ہوتے ہیں۔ یہ اون کے گانے والے پرندوں سے محبّت کرنے اور بانکا لباس پہننے سے ظاہر ہے کیونکہ اون میں سے بعض کوٹ کی قطع اور ٹوپی کی ہیئت کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ میں اونکو بعض اوقات بڑی ہوشیاری سے بلبلوں کی خبرگیری کرتے ہوئے۔ پنجرے صاف کرتے ہوئے اور ان کو رنگارنگ چیتھڑوں اور موسمی پھولوں سے آراستہ کرتے ہوئے دیکھکر بہت محظوظ ہوتا تھا نومبر میں میں دیکھتا تھا کہ ایک درجن پنجرے اس طرح صاف کیئے ہوئے معہ ایک ایک بلبل کے گھر کے صحن میں دھوپ میں رکھے ہوئے ہوتے تھے۔ اور جب میں نے اسطرح پنجروں کے جمع ہونے کی وجہہ دریافت کی تو ایک شخص نے اس خیال سے کہ شائد میں اون کے اوہام پر ہنسوں شرما کر کہا کہ قریب کے گھر میں چائے کی دعوت ہے ان پنجروں کے مالک معہ اون کے وہاں جائینگے اور گانے والے پرندوں کی محفلیں گھروں کے تہ خانوں میں ہوتی ہیں جو سردیوں میں گرم ہوتے ہیں اور گرمیوں میں سرد۔ جب میں ان پرندوں کے ایک گروہ کا خیال کرتا ہوں جب وہ ایک نیم تاریک جگہ میں رکھے جاتے ہونگے۔ جنہیں کوئلوں کی چلموں کی آگ دھیمی سی روشنی ڈال رہی ہوں گی۔ حقے کا پانی بڑبڑ آتا ہوگا اور پاس ہی سماوار میں چائے اُبل رہی ہوگی تو میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ یہ سب چیزیں اون پرندوں کو یقین دلا دیتی ہونگی کہ رات کا وقت ہے جو موسم بہار میں گانے کا وقت ہوتا ہے ۔

ایرانی شاعروں نے اپنی دنیاوی خوشیوں کے گیتوں میں بلبل کا بہت ذکر کیا ہے۔ بلبل جس کی بابت وہ لکھتے اور گاتے تھے۔ وہی یورپ کی شب راگن ہے۔ جو موسم بہار میں ایران پہنچکر گاتی ہے۔ محبت کے لئے

اور گھونسلا بناتی ہے۔ یہ جنوب میں شیراز تک پہنچ جاتی ہے۔ جہاں یہہ ہندوستان کی چھوٹی سی بلبل سے ملتی ہے۔ جیسے اکثر لوگ غلطی سے ایرانی شاعروں کی گانے والی بلبل سمجھتے ہیں۔ لفظ بلبل ایران اور ہندوستان میں دونوں پرندوں کے واسطے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن ان کی شکل رنگ اور آواز میں بہت فرق ہے۔ یہ دونوں شیراز میں اکھٹی ہوتی ہیں جہاں کی آب و ہوا ایسی معتدل اور ایک سی ہوتی ہے کہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے پرندے اور بیل وہاں جمع ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہاں میں نے ہندی بلبل۔ ہوپو۔ پورپی شب رانگن۔ کویل اور مینا کو دیکھا ہے اور ان کو بولتے سنا ہے۔ اور وہاں سیب سے لیکر کھجور تک میوے پیدا ہوتے ہیں۔

پالتو گانے والے پرندوں میں سے شب آنگن (یورپی بلبل) بہت عزیز ہے۔ یزد کے قریب محبت آباد کے ایک باغ میں پھول توڑنے والے لڑکوں نے ان کو پال لینے کی خاطر پکڑنے کی ترکیب مجھے بہت اچھی طرح سمجھادی صحرائے یزد کے اس سبزہ زار میں دو بڑے بڑے باغ ہیں۔ جہاں گلاب اور عطر بنایا جاتا ہے۔ جب یورپی بلبلیں اپنے بحیرہ خضر کے ساحل کے موسم گرما کے جنگلوں سے موسم بہار میں واپس آتی ہیں تو انہیں باغوں میں رہتی ہیں۔ ایرانی شاعر گلاب کے پھولوں سے بلبل کی محبت کا ذکر کرتے ہیں اور خیالی گفتگو کے پیرائے میں بیان کرتے ہیں کہ پھول اپنی عاشق بلبل کی شکایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ بلبل ہماری خوشبو اور خوبصورتی کو بار بار چومنے سے خراب کر دیتی ہے۔ اور ایک حسرت انگیز جلدی سے ہم مرجھا جاتے ہیں۔

لڑکوں نے ان پرندوں کے جوڑوں۔ گھونسلوں انڈوں کی تعداد کا ذکر کیا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم نوجوان نر پرندوں کو جب وہ پر نکال کر گھونسلا چھوڑنے کو ہوتے ہیں۔ پکڑ لاتے ہیں۔ اور اپنے ہاتھ سے کھلاتے پلاتے ہیں۔ یہانتک کہ وہ خود کھانے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ وقت بے بس نوجوان

پرندوں کی بہت مانگ ہوتی ہے جو ایران میں قید کی حالت میں بہت اچھا گا لیتے ہیں۔ یورپ میں یہ پرندہ شاذ و نادر ہی ملا کرتا ہے۔ دوکاندار پرندوں کو اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ گھونسلے بنانے کے موسم میں وہ تمام بازاروں میں ان ساتھیوں سے ملتے ہیں جن کو وہ اپنی عقل حیوانی سے جانتے ہیں کہ قریب ہیں مگر مل نہیں سکتے نہایت شیریں زبانی سے گاتے ہیں۔

شیر و خورشید کے قومی نشان کی اصلیت کی بابت کی عام لوگوں میں ایک نہایت دلچسپ داستان مشہور ہے اسکی بابت مفصلۂ ذیل قصہ مجھ سے طہران کے ایک التجار نے بیان کیا تھا۔ وہ ایران کی تواریخ، ادب اور افسانوں میں بہت ماہر تھا۔ اور بولتے وقت اس سے قومی فخر ظاہر ہوتا تھا۔ پانچہزار برس پیشتر جب ہرمز نے عجم کی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ تو سورج برج اسد میں تھا جو سب سے اونچا ہے اسلئے شیر کو ایران کا نشان بنایا گیا اور اسوقت تک ایسا ہی رہا۔ جب موجودہ سورج اوس کے اوپر لگایا گیا۔ اس بات کو ۶ سو برس کا عرصہ گذرا ہوگا۔ غزن خان کو جو اسوقت کا بادشاہ تھا۔ اپنی بیوی سے اسقدر محبت تھی کہ اس نے سکوں پر اوسکا نام کندہ کروا کر ہمیشہ کے لیئے اوس کی یادگار قایم کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن علمائے عورت کے نام کو سکہ پر کندہ کرنے کی تجویز پر اعتراض کیا۔ اس لئے اسنے شاہی جھنڈے میں شیر کے اوپر ایک نکلتے ہوئے سورج کی تصویر بنوا کر اپنی بیوی کا چہرہ اوس میں کروا دیا۔ جیسا کہ آجکل ایران کے مشہور شاہی ہتھیاروں پر دیکھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ شاہ غزن کو اپنی بیوی خورشید سے ایسی محبت تھی کہ وہ اسے شمع غزن کہا کرتا تھا۔

شاید لفظ خورشید کلاہ کی یہی اصلیت ہو۔ ماننے پڑتا ہے کہ یہ لفظ ایک شہنشاہ کے واسطے استعمال ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ بالوں کے آراستہ کرنے کی طرز اور چہرے کے نقش جو سورج کی تصویر میں دکھلائے گئے ہیں۔ عورت کے سے ہیں اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب صرف ملکہ کو دیا جاتا تھا روس کے کیتھرائن ثانی اپنے دربار کی شان و شوکت اپنی خوبصورتی اور

اعلیٰ ہمت اور اپنی محبت اور جنگ کی وجہ سے ایران میں خورشید کلاہ کے لقب سے مشہور تھی اور اب بھی اسی لقب سے یاد کیجاتی ہے

میں یہاں ایک مسلمان بادشاہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جسنے نہایت شاہانہ طریقے سے اپنی بیوی کا نام سکے پر کندہ کروا کر اپنی محبت لوگوں پر ظاہر کی شہنشاہ جہانگیر کی سلطنت خاصکر اسواسطے مشہور ہے کہ اوس کی شہزادی نورجہاں بیگم کا اسپر بہت اثر تہا۔ جسکی تعریف میں مسٹر جان مور نے نظم (لالہ رُخ) لکھی ہے یہ بادشاہ اکبر اعظم کا بیٹا تہا۔ جسنے ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی بنا رکہی۔ اور یہ آگرہ بسایا۔ سکہ نورجہاں کے نام پر چلتا تہا۔ اور ہمنے سُنا ہے کہ سلطنت کا تمام انتظام اوسی کے ہاتھ تہا وہ پنجاب کے دارالخلافہ لاہور میں اپنے خاوند کے پاس مدفون ہے ۔

غزن خان کے ایران کے تخت پر بیٹھنے کا مسئلہ بھی نہایت دلچسپ ہے۔ وہ چنگیز خان کی نسل میں سے ایک مغل سردار تہا۔ وہ اپنے بادشاہ خاقان کیطرف سے ایران کا حاکم تہا۔ اوس کے ماتحت ایک لاکھہ وفادار تاتاری جوان تھے۔ اسوقت ایران کے لوگ مسلمان تھے۔ اس سے کہا گیا۔ کہ مسلمان ہو کر آزاد ایران کا منتخب بادشاہ بن جا۔ اس نے اپنے ہمراہیوں سے صلاح کر کے مسلمان ہونے اور بادشاہ بنجانے کا فیصلہ کیا اوس کے ساتہہ اوس کے ایک لاکھہ سپاہیوں نے بہی اسلام قبول کیا۔ جو اصلی تاتاری سپاہیوں کے جوش کو دیکہ اپنے سردار کیساتہہ اسلام کے حلقے میں داخل ہوئے اور بہت جلدی عملی طور پر اوس دین کے حامی بن گئے جس کو انہوں نے اسقدر اچانک قبول کر لیا ۔

ہم خیال کر سکتے ہیں کہ علمار کو اسوقت کسقدر خوشی ہوئی ہوگی جب وہ ان تاتاریوں کی گہنی صفوں کے درمیان سے گذرتے ہوں گے جن کو زمانے نے سخت کر دیا تہا۔ جو موسموں کی سختیوں کی کچھہ پرواہ نہیں کرتے تھے اور جن کے ماں باپ نیزہ اور کمان تھے۔ یہ لوگ ۱۲ جون ۱۲۹۵ء کو فیروزکوہ پر قواعد کر رہے تھے۔ جہاں یہ اسلام کا اقرار کرنے کو جمع ہوئے تھے۔ اونکی

واسطے عربی الفاظ سیکھنا ضرور مشکل ہوگا ۔ یہ بڑی آسانی سے خیال میں آ
سکتا ہے کہ اون لوگوں نے قسمیں کھائی ہونگی کہ جو بات ہمارے سردار
کے واسطے مفید ہے وہ ہمارے واسطے بھی ضرور مفید ہوگی ۔ اور جو کچھ وہ
کرے ہم بغیر کسی زیادہ رسم و رواج کے کرنے کو تیار ہیں ۔ اسوقت اسلام
اپنی طرف سے پہلے چھیڑ چھاڑ کر بیٹھا تھا ۔ یہ نرم کلام اور تیز تلوار کے
زور سے پھیل رہا تھا ۔ تو ایسے موقعہ پر ملاؤں نے بہت فخر کیا ہوگا کہ ایسے
جنگجو جوانوں کے ایک شاندار گروہ دین کی مدد میں شامل ہونے کی وجہ
سے بہت فائدہ پہنچا تھا ۔

چنگیز خان کی نسل میں غزن خان پہلا بادشاہ تھا جس نے تاتاریوں کی حکومت
کے جوئے کو اپنی گردن سے اوتار پھینکا اور حکم دیا کہ تاتاری بادشاہ کا نام
ایرانی سکوں پر کندہ نہ ہونے پائے جو سکہ اوس نے ڈھلوائے اون پر خاقان کے
نام اور لقب کی بجائے اسلامی کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
کندہ کرایا ۔ وہ اسقدر دلیر نہیں تھا کہ اپنی دلی خواہش کے مطابق اپنی بیوی
کا نام سکے پر کندہ کرواتا ۔ جیسا کہ جہانگیر نے کیا تھا ۔ مگر اس معاملہ میں
اوس کی حالت بالکل جداگانہ تھی ۔ وہ نیا مسلمان ہوا تھا اور اسلام
کی بدولت اوس کو سلطنت ملی تھی وہ علماء کے اختیار سے باہر نہیں ہوسکتا
تھا ۔ کیونکہ اونہوں نے اوسکو تخت پر بٹھایا تھا ۔ غزن خان کی تخت نشینی کا
ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہنری چہارم فرانس کے بادشاہ نے بھی تخت
کی خاطر اپنا مذہب بدل لیا تھا (یعنے کیتھولک ہو گیا تھا) ۔

غزن خان تیرہویں صدی کے وسط میں حکومت کرتا تھا ۔ اور یورپ
میں یہ مشہور تھا کہ وہ بیت المقدس میں پھر عیسائی حکومت قایم کرنے میں
مدد دینے کو تیار ہے ۔ وہ ایک نہایت عقلمند اور منصف مزاج بادشاہ خیال
کیا جاتا تھا ۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ چونکہ وہ اپنے ملک کی اور اپنی اصلاح کرنا چاہتا
تھا ۔ اس لئے اسے یورپ کی سلطنتوں سے مدد لینی پڑی ۔ کہتے ہیں کہ پوپ
بونی فائیس ہشتم نے غزن خان کے ساتھ دوستانہ تعلق کی بناء پر عیسائی

بادشاہوں کو ایک اور صلیبی جنگ کرنے کی ترغیب دی۔ اور غالباً یہ عیسائیوں
کے ایک پیشوا کے ساتھ ایسا تعلق ہونے کی وجہ سے تھا کہ یورپ کے
مورخوں کا یہ خیال تھا کہ غزن خان درحقیقت مسلمان نہیں تھا۔ بلکہ دل میں وہ
عیسائی تھا۔ یہ خیال بے بنیاد نہیں ہے کہ اوس کے پوشیدہ اعمال سلطنت
مصر کے ضعیف کرنے کی طرف رجوع تھے۔ کیونکہ سلطنت مصر کو وہ اپنے
اور ایران کے واسطے مضر سمجھتا تھا۔ یہ صاف ظاہر نہیں ہے کہ اپنے بزرگوں
کے مذہب میں تھا یا عیسائیوں کے ہیں۔ مگر یقین کیا جاتا ہے کہ وہ عمر بھر
عیسائی رہا۔ اگرچہ اوس نے عام طور پر اسکا اظہار نہیں کیا اوس نے تاج کی
خاطر اسلام قبول کیا تھا۔ مگر اوس کی تمام زندگی عیسائیوں کے ساتھ دوستی
اور مسلمانوں کے ساتھ لڑنے میں گذری۔ ذینوفن ذکر کرتا ہے کہ ایران کا
شاہی نشان ہمیشہ سے ایک سنہری عقاب رہا ہے۔ جس کے پر پھیلے
ہوئے ہوتے تھے۔ اور رومی عقاب کی طرح نیزے کے سرے پر رکھا ہوا
تھا۔ لیکن وہ کوئی کام کا حوالہ نہیں دیتا۔ ایرانی مورخ ایک جھنڈے کا
ذکر کرتے ہیں جو ضحاک کے زمانے سے آخری پہلوی بادشاہ تک رائج
رہا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک قولج نامی لوہار نے مشہور و معروف ظالم
بادشاہ ضحاک کے خلاف سازش کر کے اوسکو مار کر ملک اسکے بے رحم پنجے سے
چھڑایا۔ فتحمند لوہار نے تب خاندان پیشدادیاں کے ایک شہزادے فریدون
نامی کو تخت پر بٹھایا جسنے اوس کی برساتی کو اپنا شاہی نشان قرار دیا۔
کہتے ہیں کہ اب اوس پر بہت سے جواہرات جڑے گئے اور فریدوں سے آخری
پہلوی بادشاہ تک ہر ایک بادشاہ اور جواہرات جڑاتا رہا۔

یہ درفش قولج کہلاتا تھا۔ مسلمانوں کی فتح کے وقت تک ایران کا
یہی نشان رہا۔ پھر یہ لڑائی میں سعد ابن وقاص کے ہاتھ آیا جسنے اوسی
خلیفہ عمر کے پاس بھیجدیا۔ میلکم لکھتا ہے کہ اسبات کا پتہ لگانا کہ شیر و سورج
کس طرح ایران کا جھنڈا بن گئے۔ بہت مشکل ہے مگر اتنا کہا جا سکتا ہے کہ
یہ نشان بہت قدیمی نہیں ہے۔ سلجوقی خاندان کے بادشاہ کے سکوں میں

یہ نشان ہونے کے متعلق وہ کہتا ہے کہ جب چنگیز کے پوتے ہلاکو خان نے اس خاندان کو برباد کیا تو بہ اغلب معلوم ہوتا ہے کہ اوس شہزادے نے یا اوس کے جانشین نے اس نشان کو اپنی لوٹ کی چیزوں میں شمار کر کے فتح کے بعد اختیار کر لیا ہو۔ اور اسوقت سے یہ ایران کا شاہی نشان بن گیا ہو۔ وہ یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ یہ نشان پہلے پہل سنہ ۱۲۴۰ء میں غیاث الدین کیخسرو بن کیقباد نے اختیار کیا تھا اور یہ یا تو اوس کی اپنی یا اوس کی بیوی کی جنم پتری کے لحاظ سے بنایا گیا تھا جو جارجیا کی ایک شہزادی تھی۔ یہ قصہ بھی اوس سے ملتا ہوا ہے جو طہران کے ملک التجار نے سنایا تھا۔ کیونکہ سورج میں جو چہرہ بنا ہوا ہے وہ عورت کا ہے ۔

ایرانی افسروں کا شیر و سورج کا درجہ فتح علیشاہ نے سر جان میلکم کی تقریب میں نکالا تھا جو سنہ ۱۸۱۰ء میں مع پاٹنجر کرسٹی، میکڈانلڈ کنیر سنٹیتھ اور دیگر انگریزی افسروں کے دوسری دفعہ دربار ایران میں حاضر ہوا تھا۔ ان افسروں نے ایران کی فوج کو آراستہ کر کے بہت بڑا کام انجام دیا تھا۔ ان کے بعد اور بہت سے افسر گئے جو اپنی ترتیب دی ہوئی فوج کو لیکر اون سازش کنندوں کے ساتھ لڑے جو فتح علی شاہ کی وفات کے بعد محمد شاہ ولیعہد کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے جو بادشاہ مرحوم کے والد تھے۔ جھوٹے دعویداروں نے لنڈسی بیتھون سے شکست کھائی اور اس طرح انگلستان نے تخت کو خاندان قاچار میں قایم کر دیا اور فتح علیشاہ کی وصیت کو پورا کیا جسنے کہا تھا کہ میرے بیٹے

عباس مرزا کے بعد میرا لوپ تا تخت پر بیٹھے۔ محمد شاہ کی تخت نشینی کے وقت سے تمام تبدیلیوں میں ایران کو یہ خیال کرنے کی جگہ ملجاتی رہی ہے کہ انگلستان ایک دوست ہمسایہ ہے اور یہ نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ یہ خیال اوس وقت یقین کے درجے کو پہنچ گیا ہوگا۔ جب ایران کو معلوم ہوا کہ ۱۸۵۶ء کی شکست کی وجہ سے جنوب میں ان کے ملک کا کوئی حصہ ہاتھ سے نہیں گیا اور شیر و سورج کا درجہ آجتک ان دونوں قوموں کی دوستی کی شہادت دے رہا ہے۔

طہران کے انگریزی سفیر کے پاس دو سینٹ برنارڈ کتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی شیر کی سی صورتوں۔ بھورے سرخ رنگوں۔ سڈول شکلوں اور بڑے بڑے اعضا کی وجہ سے وہمی ایرانیوں پر عجیب اثر پیدا کر رکھا ہے۔ یہ کتے بڑی پرانی نسل کے ہیں۔ کیونکہ وہ ایک مشہور جوڑے کی اولاد میں سے ہیں۔ چونکہ وہ ہمیشہ کھلے رہتے ہیں اصلی بالکل سلیم الطبع اور خوش مزاج ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایک کمزور طبیعت آدمی کو پہلے پہل دیکھکر اگر خوف نہیں تو شبہ تو ضرور ہوتا ہے یہ طاقتور و لیو شکل کتے سیر کے وقت سفیر کی بیوی کے ساتھ جاتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ ان کا نام نگہبانی کرنا ہے۔ شاندار خوشنما کتیں اپنی گردن اونچی اٹھائے ہوئے اور آنکھوں سے ادہر ادہر دیکھتے ہوئے آگے آگے چلتا ہے۔ اور ڈائیڈو سر جھکائے ہوئے شیرنی کی طرح خوب ہوشیاری سے پیچھے پیچھے چلتی ہے۔ بازاری آوارہ گرد اور اجنبی کتوں پر یہ طرح دوڑ پڑتے ہیں۔ دردناک تجربہ حاصل کر چکے ہیں اسلئے جب وہ ان بہادروں کی جوڑی کو گذرتے دیکھتے ہیں تو چپکے سے دبک جاتے ہیں۔ اور آنے جانے والے بھی جو کہ مسلمانوں کے قاعدے کے موافق کتوں سے بہت بے رحمی سے سلوک کرتے ہیں۔ اون کے ساتھ ویسا سلوک نہیں کرتے ہیں۔ وہ چپ چاپ چلے جاتے ہیں اور دونوں آدمی اور کتے اون سے ڈرتے ہیں۔

ایک ایرانی شریف آدمی گھوڑے پر سوار معہ اپنے ہمراہیوں کے جا رہا تھا ان دو بڑا ڈے کتوں کو دیکھ کر قریب آیا اور کہا کہ اس نسل کے پلے کے واسطے میں ایک نہایت عمدہ قالی غالیچہ یا ایک نہایت تیز گھوڑا دینے کو تیار ہوں ۔

طہران کے بعض بھکاری درویش بہت بدنما چہرے والے اور گندے ہوئے بالوں والے ہوتے ہیں اور کرخت آواز سے بھیک مانگتے ہیں بلکہ سرکاری معاملے کی طرح طلب کرتے پھرتے ہیں خیرات دینے والوں کو وہ اپنا ممنون احسان سمجھتے ہیں کیونکہ وہ اونکو ایک مذہبی فرض کے ادا کرنیکا موقعہ دیتے ہیں ۔ وہ بڑے غرور سے ایک بھٹا یا کلہاڑی لئے ہوئے چلتے ہیں اور اکثر اون کی شکل ناقابل برداشت ہوتی ہے ۔

ان میں سے ایک اچانک ایک پہلو کی پگڈنڈی سے سفیر کی بیوی کے پیچھے آنکلا اور زور سے حق حق کے نعرے مارتا ہوا اوس کے پیچھے پیچھے چلدیا ۔ تقریباً شام ہو چکی تھی اوس نے بڑے کتوں کو نہ دیکھا جو آگے جا رہے تھے اوس کے زور کے نعروں سے اور قریب قریب آنے والے قدموں کی آواز سے تنگ آکر لیڈی نے پیچھے مڑکر اس سے کہا یا تو آگے چلے جاؤ یا ذرا پیچھے ہٹکر چلو ۔ یہ سنکر وہ چپ چپ ہوا اس خیال سے کہ لیڈی اس کے مبارک ظہور کو پسند نہیں کیا اور جلدی سے آگے بڑھا اور شیر کی مانند کتوں کو دیکھکر وہ رک گیا اور کہا کہ میں پیچھے چلونگا اب میں چپ چاپ چلونگا ۔ سفارتخانے کے دروازے پر پہنچکر جب اوس نے دیکھا کہ رستہ خالی ہے اور کتے اندر گھس گئے ہیں تو وہ یہ کہکر چلدیا مسالک اللہ بالخیر ادلک اللہ ۔

پہلے کوئی شریف عورت اس خیال سے باہر نہیں نکلتی تھی کہ لوگ اسکو ننگا کر دیکھینگے یا پہنینگے ۔ مسلمانوں کے ملکوں میں یہ عام دستور ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ عورت کا تمام چہرہ اور جسم ڈھکا رہنا چاہئیے ۔ لیکن ترکیس یا ڈائنڈو کی موجودگی میں کوئی ننگا مذہب یا ہنسی نے نہیں دیکھ

سکتا۔ بلکہ اب بڑی عزت سے اشارہ کرتے ہیں کہ تمہارا ستہ صاف ہے۔ ایرانی اپنی صاف سوچ بچار سے شاہی ہتھیاروں پر ایک شریفزادی شاہی گارڈ اور سفیر ایران کی تصویر بنا لیتے ہیں۔

پیشتر اس کے کہ مہدی کے سپاہیوں نے درویش کے لفظ کو اچھے معنوں میں استعمال کرنا شروع کیا یہ لفظ بھکاری کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ اگرچہ اس کے معنے اصل میں دروازے کے سامنے کے ہیں تاہم اس سے یہ مطلب نہیں کہ در بدر مانگنا اس سے خیال کیا جاتا ہو۔ شروع میں درویش ایک ایسے شاگرد کو کہتے تھے جو اپنے خانگی تعلقات کو چھوڑ کر بغیر کسی زاد راہ یا توشے کے دوستانہ لوگوں میں اشاعت مذہب کے واسطے چل پڑتے تھے۔ اور کہیں کہیں شہر جاتے تھے جہاں اون کی بڑی خاطر ہوتی رہتی ہوتے ہوتے وہ دین کا سپاہی بن جاتا تھا اور جب جھگڑے پڑ گئے اور مذہبی دشمنیوں کی آگ بھڑک اٹھی تو جوشیلے سپاہیوں کے کئی فرقے بن گئے جو اپنے آپکو درویش کہتے تھے۔

اسمعیلی بھی ایسے ہی تھے جو سب سے پہلے ایران میں گیارھویں صدی میں حسنی کہلانے لگے اور جو سوڈان کے موجودہ درویشوں کی مثل تھے۔ آجکل ایران میں درویش کا لفظ صوفیائے کرام کے واسطے مستعمل ہوتا ہے اور ان کے کئی فرقے ہیں اور انمیں نہایت اعلیٰ اور دولتمند طبقوں کے لوگ شامل ہیں۔ فتح علیشاہ کے زمانہ میں بھکاری درویش اٹلی اور اسپین کے آوارہ گرد فقیروں کی طرح ایسے بدکار اور کثرت سے تھے کہ اوس کے جانشین محمد شاہ نے تخت پر بیٹھ کر پہلا کام جو کیا وہ یہہ تھا کہ اوس نے حکم دیا کہ سوائے لنگڑے ضعیف اور اندھے کے کوئی مانگنے نہ پائے اور جو مضبوط آدمی فقیروں کے بھیس میں ملجائے اوسے پکڑ کر فوج میں داخل کیا جائے۔ اس وقت سے یہ پیشہ کم ہو گیا ہے۔ اور اب بھی بھکاری بہت کم ہیں۔ اب جو انگریز ان کے حقیقی معنے سمجھتے ہیں یہ ضرور نہیں کہ وہ مفلس خود انکساری اور تجرد کی شرائط

کو پورا کرتے ہوں وہاں ایک نہائیت کالے رنگ کا حبشی تہا جو انگریزی
سفارتخانے سے پنشن کے طور پر خیرات لیا کرتا تہا اور ہر موسم میں خواہ
برف پڑتی ہو یا دہوپ ہو وہ نہائیت شوخ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے
سنہو زبان میں چڑچڑاتے ہوئے دیکھا جاتا تہا - وہ جانتا تہا کہ اس کا
دینی نعرہ یا شعر صرف اوسی کے ساتھ خاص تہا - اور وہ انگریز کو دیکھکر
یہ نعرہ مارنے کو ہر وقت تیار تہا جسکی فیاضی کی داد دینی اوس پر ضروری
تہی سو وہ حکایت بیان کیا کرتا تہا کہ میں افریقہ کے شہزادوں میں سے ہوں
وسط افریقہ میں مجھے ایک شخص نے چرا کر عربوں کے ہاتھ بیچا اور پھر
وہاں سے کسی نے خرید کر ایران کے شمال میں آکر چھوڑ دیا -
وہ تاریک شہزادے کے نام سے مشہور رہتا ۱۸۹۲ء کے ہیضے کی وبا
کے زمانہ میں اوس نے ایک پرانے سایہ دار چنار کے درخت کے نیچے رہائش
اختیار کی جہاں درویش اکثر رہا کرتے تہے - یہ جگہ طہران کے نواح میں
گلہیک کے انگریزی سفارتخانے موسم گرما کے قریب تہی - ایک روز اسنے
دروازہ کے باہر بیٹھکر نہائیت پُر درد لہجے میں رات کے وقت ہیضے
سے اپنی بیوی کے مرجانے کا حال بیان کیا اور اوس کی تجہیز و تکفین
کے واسطے کچھ مانگا - روپیہ جمع کرنے کے بعد رات کو اپنی مردہ بیوی
کو چنار کے تلے چھوڑ کر غائب ہو گیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اوس کی دو بیویاں
تہیں جو اسنے آغا لطفنے مالک کہا کرتی تہیں اور جو زندہ تہی اوسے لیکر چلا
گیا اور دوسری کو چھوڑ کر چلا گیا کہ لوگ دفن کر دیں بعد ازاں وہ تاریکی
کے شہزادے کے نام سے مشہور ہو گیا -
طہران کے بہکاری درویش سب سے سب میلے کچیلے کپڑوں والے نہیں
ہوتے - بعض اون میں نہائیت صاف لباس پہنتے ہیں اور ستھرے رہتے
ہیں - ایسا ایک شخص طہران میں تہا جو ایک نہائیت خوش مزاج بوڑھا
آدمی تہا اور معلوم ہوتا تہا کہ ایک آرام بخش آدمی ہے وہ نہائیت خوش تین
قصے بیان کر سکتا تہا - کیونکہ افسانہ گوئی اکثر درویشوں نے ایک عمدہ ذریعہ

معاش کا اختیار کر رکھی ہے ۔
ق
قصے بیان کرنے کے کام میں بہت سے درویش عقلمندی ۔ دوست نما
اور تیز حافظہ ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اپنی حکایتوں کو دلچسپ بنانے کے واسطے
اون کو نئے نئے واقعات ملانے پڑتے ہیں جو انہوں نے سنے ہوتے ہیں یا
یا خود بنائے ہوتے ہیں جو اپنی عہد کی طرز کے واسطے مشہور ہوتا ہے اوس کو
گاؤں اور قصبوں کے قہوہ خانوں اور باغوں میں بڑی خوشی سے
ملوایا جاتا ہے ۔

ایک دن میں ایک نہایت عمدہ صاف ستھرے سفید کپڑے والے درویش
کو صحرائے یزد کے ایک وسیع ریتلے قطعے پر ملا۔ جہاں اوس کے ملنے کا مجھے کچھ
بھی خیال نہ تھا۔ جب اوس نے دیکھا کہ ایک فرنگی ہے تو وہ ٹھہر گیا اور اپنی
کشکول کو ذرا اٹھا کر آہستہ سے کہا "خیرات بخشش آسمان کی شبنم کے قطروں
کی طرح ہے" اوس کے یہ الفاظ ایسے بے آب ویرانے میں نہایت موزوں تھے
اعلیٰ درجہ کے درویشوں کی جماعت میں شامل ہونا کسیقدر ہی منیوں کے
اندراج کا سا ہے۔ میں ایک نہایت اعلیٰ درجے کے ایرانی شریف کو جانتا ہوں
جو ایک درویش ہے اور ایک مشرقی علوم کے عالم اور با وضع و اطوار کے
واقف فرنگی کو بھی جانتا ہوں جس کو درویشوں کے جرگے میں داخل ہونے کی
اجازت ہو گئی ہے۔ زمانہ گذشتہ میں ایران ایک مشہور وزیر اعظم حاجی مرزا آقاسی
ایک مشہور و معروف مگر بد مزاج درویش تھا۔ اس بات کے علم کیوجہ سے میں ایک
دیولینے کے ناقابل برداشت سختی کو روکنے میں کامیاب ہو گیا۔ جو ایک چوکی
کے جمعدار کا رشتہ دار تھا اور اصطبل میں سائیس کا کام کرتا تھا۔ میرا چالاک
ارمنی نوکر جو سائیس کا کام بھی ویسا ہی کرتا تھا جیسا کہ بہرہ گری کا۔ اپنی گرم
جیکٹ اوتار کر اسباب کے گھوڑوں پر باندھنے میں مدد دے رہا تھا۔ کیونکہ زاید
اسباب کے گھوڑے وہاں سے بدلائے جاتے ہیں۔ ایک مفسد طبع تند مزاج
سائیس گھوڑوں کے پاس آیا اور جیکٹ اوتار کر چھین لی اور کہا آج بہت
سردی ہے جب سب اسباب تیار ہوا اور ہم چلنے کو ہوئے تو نوکر نے جیکٹ

مانگی دلوانے لئے ہنسکر جواب دیا کہ یہ تو ایک عطیہ ہے اور دینے سے انکار کیا۔ سخت کلامی تک نوبت پہنچی تب میں نے بیچ بچاؤ کرنا چاہا اور کہا کہ تم اپنی درویشی کی عادات کو چھوڑ دو اور چیک ان کے حوالے کرو۔ دیوانہ تو سر ہو گیا اور اپنے آس پاس کے لوگوں کو بلا کر کہنے لگا کہ اس نے مجھے درویش کہا ہے اور میرا دل دکھایا ہے۔ میں نے کہا تم عجیب آدمی ہو وزیر اعظم کے فرقہ میں ہونا پسند نہیں کرتے۔ کیا حاجی مرزا آغاسی درویشوں کی شریف جماعت میں سے نہیں تھا اس نے آہستہ سے میری بات کو سمجھا اور ہنسکر چیک واپس کر دی۔ فقیروں کو دینے کے متعلق ایران میں بھی ہماری طرح ایک مثل مشہور ہے "اول خویش بعد درویش" جیسے ہماری مثل ہے "خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے"۔

ایران کے معمولی گھوڑے چھوٹے ہوتے ہیں۔ مگر بہت مضبوط اور جفاکش ہوتے ہیں۔ اکثر گرمی کے زمانہ میں گاڑی میں بھی بہت لمبا سفر کر سکتے ہیں۔ جیسے کہ طہران اور کاسوین کے درمیان چلنے والی گاڑیوں سے ظاہر ہے۔ یہ ستانویں میل کا فاصلہ ہے جس میں چھ چوکیاں ہیں ایک چوکی پر پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہاں کے تمام گھوڑے ایک روسی مسلمان سوداگر لے گیا تھا جو میرے آگے آگے بڑی شان سے سفر کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ سات گھوڑیاں تھیں۔ میرے پاس ایک اپنی سواری کی گاڑی تھی اور دوسرا ٹلس تھا جس میں نوکر معہ اسباب کے سوار تھا۔ دونوں میں تین تین گھوڑے تھے سڑک پر بہت آمدورفت تھی۔ اور گھوڑوں کو صرف چند گھنٹے ٹھیرنے کی مہلت ملتی تھی۔ اور پھر واپس جانا پڑتا تھا۔ میں چوکی پر رات کے وقت پہنچا اور اگرچہ میری بھی خواہش تھی کہ چلا چلوں۔ مگر گھوڑوں کے واپس آنے کا انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ جب وہ واپس آئے تو میں گھنٹہ بھر آرام کرنے کے بعد انہیں سے جو میری گاڑی اور اسباب کے دو پہیے کو لے کر چل دیئے۔ اگلی چوکی پر پہنچ کر میں نے طویلہ خالی پایا کیونکہ میرے آگے جانے والے جو گھوڑے لے گئے تھے

وہ ابھی واپس نہیں آئے تھے۔ میں نے داروغہ چوکی سے پوچھا کہ یہی گھوڑے مجھے اگلی چوکی تک لیجا سکتے ہیں اوس نے جواب دیا کہ ایک گھنٹہ آرام کرنے اور دانہ چارہ کھانے کے بعد یہ پھر تیار ہو جائینگے۔ اونہوں نے دوسری منزل بھی اچھی طرح طے کی اور تھکان کے نشانات کچھ ظاہر نہ ہوئے یہ گھوڑے سولہ میل تو دہوپ میں اور سولہ میل پھر شام کیوقت اپنی چوکی تک لوٹنے میں طے کر چکے تھے اور میرے ساتھ چھتیس میل تو صبح کے وقت کیا اور پھر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد اوتنا ہی واپس آنے میں کیا۔ یہ سب بہت تھوڑے وقت میں کیا۔

مجھے شاہ کے گھوڑوں کے طویلے دوبارہ دیکھنے کی خاص طور پر اجازت مل گئی۔ اور میں اون کو ایران میں سب سے دلچسپ نظارے سمجھتا ہوں۔ اون میں ایشیا کی نہایت عمدہ نسلیں موجود ہیں اور عرب۔ ایران۔ کردستان۔ کرداغ خراسان اور ترکمانوں کے ملکوں کے نہایت چیدہ چیدہ گھوڑے اور شاہ مرحوم اور اس کے صاحبزادوں یعنے موجودہ شاہ اور ظل سلطان کی گھوڑوں کی چراگاہوں کے نہایت عمدہ جانور شامل تھے ان سب چراگاہوں میں بہت اچھے گھوڑے پیدا ہوتے ہیں۔ شاہ مرحوم نے تین جگہ نسل بڑھانے کا انتظام کر رکھا تھا۔ ایک طہران کے گرد و نواح میں دوسرے ہمدان کے قریب اور تیسرے مراغا میں جہاں چراگاہ بہت اچھی ہوتی ہے کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک میں ایکہزار گھوڑیاں اور بچھیرے ہیں۔ شہنشاہ ایران کے انتظام کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جسکی طرف گھوڑوں کے نظام کی نسبت زیادہ توجہ کیجاتی ہو۔ یہ سب ایک افسر کے ماتحت ہوتے ہیں جس کو میر اخور کہتے ہیں۔

محمد حسین مرزا میر اخور جو کہ خاندان شاہی کا ایک شہزادہ ہے ہر ایک گھوڑے کی پوری پوری تواریخ جانتا ہے۔ اور ہر چیز جو اوس کے زیر نگرانی ہے بہت عمدہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوسے اپنے کام کا بہت شوق ہے۔ پہلے ہمیں گھوڑ دوڑ کے گھوڑے دکھلائے گئے۔ جن کو ایرانی

ہال شرط کہتے ہیں۔ وہ تعداد میں تیرہ تھے اور سب کے سب مضبوط تھے۔ اونکی ہڈیاں سخت تھیں اور بیٹھے بہت سے کہتے تھے۔ وہ عرب تھے مگر سب کے سب عرب سے نہیں لائے گئے تھے۔ بلکہ شاہ مرحوم کے اسپ خانوں میں انکی نسل سے پیدا ہوئے تھے شاہی گھوڑدوڑ طہران سے چھ میل کے فاصلہ موضع دوشان تپی میں ہوتی ہے جہاں نرم ریتلی جگہ کا نرم چکر بنا ہوا ہے لوگ کہتے ہیں کہ یہ دو میل لمبا ہے مگر دراصل ڈیڑھ میل ہے ایرانی لوگ گھوڑوں کو دور دور دراز کے سفروں کے عادی بنا لینے کے واسطے پالتے ہیں۔ دوشان تپی کی گھوڑدوڑ میں تین سے نو میل تک کی دوڑ ہوتی ہے شہزادے نے ایک گھوڑے کیطرف اشارہ کیا جسنے پچھلے جاڑے میں نو میل کی دوڑ ۲۳ منٹ میں کی تھی۔ یہ گھوڑا نہایت عمدہ قد و ڈیل ڈول کا۔ بھورا سا عرب تھا جسکے بدن پر کچھ سیاہ داغ تھے۔ یہ اور ایک زیادہ گہرے بھورے رنگ کا اور ایک بادامی رنگ کا خاص عربی نسل کے تھے جو نجد سے لائے گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ نجد کے لوگ ایسے گھوڑوں کو بیچتے نہیں ہیں۔ یا تو کسی کو تحفتہً دیدیتے ہیں یا لڑائی میں کسی کے ہاتھ آجاتے ہیں۔ ان تیزوں کی شکل اور بناوٹ ایسی تھی کہ خواہ مخواہ کبھی لڑنے اور سواری کی کچھی ہیبت تھی ان سب پر چھوٹے چھوٹے لڑکے سوار ہوکر آتے تھے جن میں کچھ ایسے تھے وہ سواری کی جیکٹیں اور نیلی برجیس پہنے ہوئے تھے پاؤں میں لمبے نرم چمڑے کے بوٹ تھے اور ٹوپیوں یا کنٹوپیوں کی بجائے رنگین رومال سر پر مضبوط بندھے ہوئے تھے۔

میرے خیال میں موجودہ ہال شرط یعنے گھوڑدوڑ کے گھوڑے جن کو سرپٹ چلنے کا عادی رکھا جاتا ہے۔ اون پرانے لڑائی یا فرار کے وقتوں کا نتیجہ ہیں۔ جب ہر وقت شب خون حملے یا دھوکے کے واسطے تیار رہنا پڑتا تھا۔ اور اکثر انسان کا سب سے اچھا دوست اسکا گھوڑا ہوتا تھا۔ جیسا کہ ایک بادشاہ نے کہا تھا کہ کاش کہ ایک گھوڑا ملجاتا۔ اسوقت گھوڑے نہ ہونے کی وجہ سے میری سلطنت جاتی ہے۔

گھوڑ دوڑ کے گھوڑوں کے بعد سواری کے گھوڑوں کی باری آئی یہ سب باسلیقہ تھے ان میں سجد اور نجد کے سب سے عمدہ صحرائی نسل کے ہرن جیسے چالاک عرب اور نہایت مضبوط بناوٹ والے جاف کردوں کے ملک کے گھوڑے شامل تھے۔ کچھ ایرانی اور کچھ ترکی دستانی نہایت جید دوغلی نسلوں کے اور بڑی بڑی ہڈیوں والے کرداغ کے جانور تھے۔ جو شاہی نسل میں سے تھے۔ بعض لمبے لچپتے قد اور طاقتور باہمت تھے بعض ترکمانوں کی ملک کی نسلوں کے اور بعض خوبصورت اور چالاک چھوٹے چھوٹے خراسان کے گھوڑے تھے۔ بعد ازاں ہمیں کشقئی مرغزاروں کے جو شیراز کے قریب ہیں کچھ نہایت عمدہ بڑے بڑے اعلیٰ قسم کے اور لورستان اور ایرانی عربستان کی پہاڑیوں اور میدانوں کے مضبوط نسلوں کے دوغلی گھوڑے اور اعلیٰ قسم کے عرب دکھلائے گئے جو شاہ کے بیٹوں نے پالے تھے۔ اور بہت سے اچھے اچھے نمونے شاہی مرغزاروں کے گھوڑوں کے ہم نے دیکھے۔

تین بھورے رنگ کے عرب جن کو شاہ مرحوم بہت پسند کرتا تھا۔ سنہری پٹوں سے سجا کر باہر لائے گئے۔ اون کی کمریں جھکی ہوئی تھیں جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ دونوں پہاڑیوں اور میدانوں کی سواری کے واسطے بہت کارآمد اور مضبوط ہیں اون میں سے ایک کی بابت کہا جاسکتا تھا کہ وہ بوڑھا ہوتا جاتا ہے۔ اسلئے اچھا کام نہیں دے سکتا۔ اسپر بھی وہ ایسا جسیم اور جوش سے بھرا ہوا تھا کہ وہ دائرے بناتا ہوا آگے پیچھے کودتا تھا۔ گویا کہ وہ تماشیوں غلاموں محافظوں کی صفوں کو چیرنا چاہتا تھا۔

میرے خیال میں سواری کے گھوڑوں میں سب سے زیادہ طاقتور اور عمدہ شکل وشباہت والے ایک داغدار بھورے رنگ کا جاف کرد۔ اور دو ترکمان تھے۔ دوسری قسم کے گھوڑوں کی کمریں بہت گہری تھیں اونکی گردنیں لمبی اور عمدہ تھیں جیسی عموما اون کی نسل کی ہوتی ہیں اور اون کے سر کسیقدر بڑے لیکن ڈھیلے سے ہوتے ہیں جن سے نسل کی عمدگی ظاہر ہوتی ہے۔

ترکمان کہا کرتے ہیں کہ ہمارے گھوڑے اسلئے بہت بڑے اور مضبوط ہوتے ہیں کہ ہمارے چراگاہوں میں گھاس بہت عمدہ اور کثرت سے ہوتی ہے میں شاہی اصطبل کے اس مختصر بیان کو اس بات پر ختم کرتا ہوں کہ چونکہ ایران ایک گھوڑوں اور سواروں کا ملک ہے اسلئے ہر ایک اجنبی سفیر جب پہلے پہل یہاں پہنچتا ہے اور شاہ کے سامنے حاضر ہوتا ہے تو اوس کو شاہ معظم کے اصطبل سے ایک گھوڑا عطا ہوتا ہے۔ ان سب گھوڑوں کی دمیں گندھی ہوئی یا اوپر کو بندھی ہوئی ہیں۔ ایرانی لوگ کبھی کسی گھوڑے کی دم نہیں کاٹتے بلکہ اوپر کو باندھ دیتے ہیں اس سے جانوروں کی شباہت بھی بڑھ جاتی ہے اور زمین پر گھسٹنے سے بھی بچ جاتی ہے۔ اور اس کے ہلنے سے سوار کو بھی اذیت نہیں پہنچتی۔ دم صرف اوس وقت باندھی جاتی ہے جب سواری کا وقت ہوتا ہے ورنہ کھلی رہتی ہے۔ تاکہ وہ مکھیاں اڑا سکے ۔

شاہی اصطبل نہایت مقدس جائے پناہ سمجھا جاتا ہے اور آجتک یہی دستور چلا آتا ہے دوسرے ملکوں کے سفارتخانوں کے اصطبلوں کی بابت بھی یہی خیال ہے۔ کیونکہ ایلچی نائب السلطان ہوتا ہے سنہ ۱۸۸۶ء میں میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ انگریزی اصطبل میں ایک دفعہ اسی طریقہ پر پناہ چاہی گئی۔ ایران کے جنگی قبائل اس اصطبل کی پناہ کو بہت بڑی عزت سے دیکھتے رہے ہیں۔ اونکا قول ہے کہ جو اصطبل کی پناہ کے قاعدہ کو توڑے گا اوس کو گھوڑا کبھی فتحمندی تک نہیں پہنچائے گا۔ ایک ایرانی دستاویز میں جسکا میلکم نے حوالہ دیا ہے نادر شاہ کے پوتے نادر مرزا کی تمام مشکلات کو اصطبل کی بےحرمتی کیطرف منسوب کیا گیا ہے۔ کیونکہ اوس نے ایک شخص کو باوجودیکہ اوس نے اصطبل میں پناہ لی تھی مروا ڈالا تھا۔ وہی مورخ کہتا ہے کہ ایک بھاگتا ہوا ملزم ایک گھوڑے کے سر پر پناہ لیتا ہے۔ اگرچہ وہ باہر میدان میں بندھا ہو۔ مفرور سر کو چھو لیتا ہے اور جبتک وہ وہاں رہتا ہے اوس کو کوئی گزند نہیں پہنچتا۔ پھر میلکم کہتا ہے کہ جنگی قبائل میں بھی

دستور ہے کہ اگر وہ کسی سردار یا مشہور سپاہی کے جنازے پر عزت کا اظہار
کرنا چاہتے ہیں۔ تو ایک گھوڑا بغیر سوار کے جسکی زین پر کپڑے اور ہتھیار
بندھے ہوتے ہیں۔ ماتم کے جلوس کے واسطے جنازے کے ساتھ
بھیجتے ہیں۔ مرحوم جوان کا پیارا گھوڑا اوس کے کپڑے اور ہتھیار اُٹھائے
ہوئے جلوس کے ساتھ ساتھ جاتا ہے۔ بھیڑ کے چمڑے کی ٹوپی جو وہ
پہنا کرتا تھا زین کے قراک پر۔ کبھی ہوتی ہے اور اسکی کمر کا پٹکا گھوڑے
کی گردن میں بندھا ہوتا ہے اور اون کے بوٹ زین کے دونوں طرف لٹکتے
رہتے ہیں۔ انہیں رسموں میں اون بہت سی باتوں کی اصلیت مل سکتی ہے
جو بہت سے شائستہ لوگوں میں آجکل رائج ہیں اور اسبات کا بھی پتہ
چلتا ہے کہ گھوڑا کیوں ایک شریف جانور سمجھا جاتا ہے۔ شاہ مرحوم کے
اصطبل میں ایک بھی انگریزی یا فرنگی سواری کا گھوڑا نہیں تھا اور اس
میں اور کہیں بھی ایسے گھوڑے نہیں دیکھے جاتے جہاں سوائے بعض روسی
گھوڑوں کے جو ضلاع ڈان کے پلے ہوئے بھاری اور بھونڈے موٹے ہوتے
ہیں اور گاڑیوں میں اکثر جوتے جاتے ہیں طہران کے روسی کا سکہ رسالے
کے توپخانے میں بھی بہت کم روسی گھوڑے ہیں۔ ناصر الدین عربی یا مشرقی
گھوڑوں کو جو اسے بہت اچھی نسل کے ملجاتے تھے۔ ایسا اچھا جانتا تھا کہ
وہ اسبات کو نہیں سمجھ سکتا تھا کہ انگلستان میں گھوڑ دوڑ کے گھوڑوں کے
واسطے اسقدر قیمتیں کیوں دیجاتی ہیں۔ بیان کرتے ہیں جب [illegible] میں
ایٹمن ہال میں اوسے اورمنڈ گھوڑا دکھلایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ اس کے
چودہ ہزار پونڈ ملتے ہیں تو اوس نے بیست سے زمین ٹھکور کر بہت جلدی سے
کہا ؟ ہیں چودہ ہزار پونڈ اس کے اس کو فوراً بیچ دو شائد کل مر جائے
یہ سنکر اوس کو حیرانی ہوئی کہ اورمنڈ بعد ازاں تین ہزار پونڈ کو بکا۔

ایران میں ابھی دوڑوں کے واسطے گھوڑوں کے پالنے اور سدھانے
کی بابت اور اس وقت کی بابت جتنے میں وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے نو میل طے کئے
ملنے اپنے ایسے دو دوستوں سے گفتگو کی جو ان باتوں کو خوب جانتے تھے

تو ان میں سے ہر ایک کا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ جو وقت بتایا جاتا ہے وہ
ٹھیک ہو مگر دوسرے کو اس میں بہت شک تھا۔ بعد ازاں میں نے ۱۸۲۶ء کے
ہند کی یونائیٹڈ سروس انسٹیٹیوشن میں ایک مرتب اسپان دراتیا پر ایک
مضمون دیکھا جس کو ڈبلیو۔ ای۔ جی نے روسی زبان میں ترجمہ کیا جس میں
قرغند کی گھوڑ دوڑوں کی تفصیل اور گھوڑوں کے ٹھہرنے کی طاقت کا بیان
دیا گیا ہے۔ ایم ہوسٹنکو ذکر کرتا ہے کہ یہ تفصیل ایک مضمون ہو گئی ہے
جسکو ۱۸۵۵ء میں ایم گارڈ نے وایتی سبورنک کے واسطے لکھا تھا۔ وہ کہتا ہے
کہ اندرونی قرغند کے لوگوں میں انعامی دوڑوں کو وزیر اعظم نے ۱۸۵۱ء کے
شروع میں رائج کیا تھا۔ اس سال ۴ اکتوبر کو ایک چار میل کا چکر بنایا گیا تھا
اور گھوڑے پانچ دفعہ اس کے گرد دوڑے۔

جیتنے والا ۲۰ میل ۴۹ منٹ ۷۸ سیکنڈ میں دوڑا۔ ۱۸۵۳ء میں ¼۲۴ میل
کی دوڑ ایک ڈیڑھ میں دوڑی جاتی تھی اور ان دوڑوں کا مفصل حال ۱۸۵۹ء
میں معلوم ہوا۔

سب سے زیادہ رفتار ۳ اکتوبر ۱۸۵۳ء میں قائم کی گئی جبکہ ½۱۴ میل کا
فاصلہ ۲۷ منٹ ۴۰ سیکنڈ میں طے کیا گیا تھا۔ دوسری طرف سب سے زیادہ
وقت ۳۹ منٹ ۳۰ سیکنڈ تھا

گھوڑ دوڑ کے شاہی گھوڑوں کی منتظم کمیٹی نے ریکارڈ کی خبر کی چنداں
پرواہ نہیں کی۔ اسلئے ۱۸۵۶ء میں ملاحظہ کنندوں کی کمیٹی کے پاس ایک
اوزار رفتار معلوم کرنے کا بھیجا گیا۔ دائرہ پہلے ہی ناپا جا چکا تھا۔ کمیٹی کے صدر
نے رپورٹ کی کہ چکر کا ناپ بالکل ٹھیک ہے مگر اتنا نقص ہے کہ ہر ½۲
میل کے بعد ½۱۷ فیٹ باہر کو نکلا ہوا ہے۔ تب اس نقص کو ٹھیک کیا گیا
چنانچہ ۲ اکتوبر کو آزمائشی دوڑ کی گئی جس میں رفتار ایک اور پیمانے کی مدد سے
ناپی گئی۔ جو معہ چند سیکنڈ سنڈ گھڑیوں کے بھیجا گیا تھا ان سے معلوم ہوا کہ
۱۶ منٹ میں ½۱۳ میل دوڑے گئے۔ ۱۹ دوڑوں میں جو ایک چکر پر دوڑائی
گئی تھیں وقت کی اوسط ۳۳ منٹ ۴۰ سیکنڈ تھی۔

سنہ ۱۸۶۱ء میں ایک دوڑ ایک اور ساڑھے تین میل کے چکر کے گرد پانچ دفعہ دوڑی گئی جیتنے والی گھوڑی نے ۱۷ میل کا فاصلہ ۴۸ منٹ ۳۵ سکنڈ میں طے کیا۔

اسٹریجن گورنمنٹ کے جنوں میں دس میل کی دوڑ ہوتی تھی سب سے زیادہ رفتار جو سنہ ۱۸۶۴ء میں قلمبند کی گئی تھی وہ ۲۳ منٹ ۵۶ سکنڈ تھی اور اس سال کا سب سے زیادہ وقت ۲۷ منٹ تھا سنہ ۱۸۶۲ء اور سنہ ۱۸۶۵ء کے درمیان اور سنہ ۱۸۶۶ء اور سنہ ۱۸۷۹ء کے درمیان وقت کی اوسط ۲۵ منٹ ۱۵ سکنڈ تھی۔

ان دوڑوں میں سوار ہونے والے لڑکے دس بارہ سال کی عمر سے زیادہ کے نہیں تھے اون کی کوئی خاص تربیت نہیں ہوتی کیونکہ شروع سے وہ سواری کے عادی ہوتے ہیں اور سخت ورزش کے واسطے خوب تیار ہو جاتے ہیں۔ اون کے جسم کے وزن چار سے دس سٹون ۰ ۷ سیر تک ہوتا ہے (ایک سٹون سات سیر کا ہوتا ہے) ابتک بھی ایرانی سب کے سب سواری جانتے ہیں اور وہ عام طور پر اس میں بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ تمام خانہ بدوش لوگ گھوڑے پالتے ہیں اور اس ملک میں گھوڑے پالنے کا اسقدر رواج ہے کہ عموماً آدمی اپنے گھوڑے کے نام سے مشہور ہوتا ہے جیسا کہ انگلستان کے بعض حصوں میں کتوں کے نام سے۔ وہاں آدمی کی نسبت گھوڑے کی طرف زیادہ توجہ کیجاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ خانہ بدوش سوار جو سنہ ۱۸۶۹ء میں میرا کل اسباب لے گئے تھے پکڑے گئے۔ ایران شاہی سڑکوں کی حفاظت کے واسطے ایک مقررہ رقم منظور کرتی ہے۔

جن اضلاعوں کا آس پاس کے خانہ بدوش جرگوں میں بہت رسوخ ہوتا ہے وہ اس خدمت کا ٹھیکہ لے لیتے ہیں اور ہر ایک جگہ کی حفاظت کے واسطے مختلف جرگوں کے لوگوں کو مقرر کر دیتے ہیں جو افسر ٹھیکہ لیتا ہے اوسکو چوری شدہ مال کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اس لئے سب لوگ چوری شدہ مال کے نکالنے کی اکثر لوگوں کو بارسن رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی کبھی

چوری کے واقعات ہو جاتے ہیں۔ مگر ساری باتوں کا لحاظ کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ انتظام بہت اچھا چل رہا ہے اور میرے اسباب کا برآمد ہونا اسکی ایک نظیر ہے ؛

میں شاہراہ کے چند میل کے چکر سے بچنے کو سیدھا پہاڑی رستے اوپر سے جا رہا تہا۔ راستہ میں مجھے لورستان کا تبدیل شدہ حاکم ملا جو طہران کو واپس جا رہا تہا اوس کے ساتھ بہت لمبی لدی ہوئی خچروں کی قطار تہی اور بہت سے محافظ تہے۔ تہوڑی دور اون کے پیچھے تین خانہ بدوش سوار آرہے تہے۔ اون کے ہاتہہ میں بڑی مارٹینی رئفلیں تہیں (یہ ہتھیار ایران میں اب عام ہیں) اور پیٹیوں میں بہت سے کارتوس بہرے تہے۔ وہ ہمارے قریب آئے اسوقت میرے ساتہہ ایک غلام اور دو نوکر تہے۔ ہم سب گہوڑوں پر سوار تہے۔ انہیں سے ایک سوار کے ہاتہہ سے جب وہ مجھے غور سے دیکھ رہا تہا چہڑی گر پڑی جب وہ لینے کو اوترا تو اوس کی گہوڑی گہومی اوسوقت میں نے اوس کی گہوڑی کو دیکہا تو اوس کی ایک آنکہہ اندہی تہی۔ ہم آگے بڑہے اور تہوڑی دیر بعد شہراہ پر جا پہنچے جب دوسری چوکی پر پہنچے تو ایک چوکی کا لڑکا تین خالی گہوڑوں کو ہانکتا ہوا پہنچا اور کہا کہ میں نے پانچ مسلح خانہ بدوشوں کو تمہاری اسباب کی خچریں ہانک کر سڑک سے علیحدہ لیجاتے ہوئے دیکہا ہے۔ سڑک کے محافظ بلائے گئے جب اونہوں نے میرا بیان سنا کہ ہمیں تین سوار ملے تہے اور اون میں سے ایک بادامی رنگ کی یک چشم گہوڑی پر سوار تہا۔ وہ فوراً پکار اٹہے کہ نان کار بیگ اور اوس کے بیٹے اوس میں شامل ہیں اور وہ اون کے تعاقب میں چل دیئے اور تقریباً سب مال اوسی رات کو مل گیا اور کار بیگ کا سخت تعاقب کیا گیا۔ مگر وہ غائب ہو گیا۔ خیال کیا جاتا تہا کہ اوس نے بہت سی چوریاں پہلے بہی کی تہیں اور ایسی صفائی سے کی تہیں کہ کوئی اون کا پتہ نہ لگا سکا۔ میری دانست میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ لورستان کے گورنر کے اسباب کی خچروں کی گہات میں اون کے پیچھے چلا جاتا تہا۔ مگر جب اوس کا

واؤ نہ چلا اور اس کے ہمراہیوں نے مایوسی سے بے پرواہ ہو کر میری
مخبروں کا تعاقب کیا اور ان کے ساتھ کسی محافظ کو نہ پا کر ہانک لے گئے
مشترک محافظ جو گئے والے جانتے تھے کہ وہ اور اس کے ہمراہی کہاں ملینگے
اور بہت جلد انہوں نے بہت سا اسباب برآمد کر لیا صرف گھوڑی کا حایہ
یاد رکھنے سے یہ پتہ چلا تھا۔
انگریزی قوم کو کھیلوں سے بہت محبت ہے اسلئے انہوں نے طہران
میں جمخانہ کو رواج دیا ہے یہ دستور ہندوستان سے لیا گیا ہے جہاں یہ
ایک انگریزی ضابطہ ہندوستانی کے نام سے مشہور ہے۔ انگریزی سفارتخانہ
نے اس فن تفریحی کو شروع کیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بہت سے
ایسے لوگوں کو لذت حاصل کرنیکا موقعہ ملتا ہے جو پیشتر چاہتے تھے کہ
کوئی باہر کی ورزش ہو مگر کوئی انتظام نہیں کر سکتے تھے۔ اب اگر موسم
اچھا ہوتا ہے تو ہفتہ وار جلسے ہوتے ہیں جنمیں طرح طرح کی دوڑیں،
نیزہ بازی اور کاٹھی کی کھیل ہوتے ہیں ایک نہایت دلخوش کن اور موثر
عجوبہ جو میں نے پہلے نہیں دیکھا وہ گدھوں کا رسا کھینچنا تھا۔ یہ کھیل ایک
سفارتخانے کا ایک نوجوان کھلاڑی ملتی قاہرہ سے لایا تھا جہاں
اسنے اسے بڑے زور سے ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ طہران میں نہایت
سواری کے گدھے کرایہ پر ملتے ہیں جو بہت سدھے ہوئے ہوتے ہیں
اور ان کے ساتھ بڑے تیز زبان لڑکے ہوتے ہیں۔ اس کھیل میں آٹھ
گھوڑے شریک تھے یعنی چار ایکطرف اور چار دوسری طرف اون کے سر
باہر کیطرف تھے اور اوپر فرنگی جو زیادہ تر انگریز تھے سوار تھے۔ چابک
یا مہمیز استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ رسی دمیں باندھکے نیچے
سے گذار کر ہر ایک سوار جسے چاہتا تھا پکڑے رہتا تھا۔ جب جاؤ کا
لفظ کہا جاتا تھا تو گدھوں کی پسلیوں پر ایڑیاں لگنی شروع ہو جاتی تہیں
اور اس کے بعد کا نظارہ بہت ہنسی کا اور جوش کا ہوتا تھا۔ سوار پیچھے
کیطرف کھینچے جاتے تھے اور گر پڑتے تھے۔ مگر رسی سے برابر چمٹے رہتے تھے

اور پھر کوشش کرکے سوار ہو جاتے اور کھینچکر دوسری طرف کسی کو گرا دیتے جو مقابل کیطرف سے زور کم ہونے کی وجہ سے آگے جھک کر لڑکھڑا گئے تھے۔ دیکھنے والے تماشبین بہت خوش ہوتے تھے۔

جو لوگ جاتے وقت میرے ہمسفر تھے وہ طہران ہی میں مجھ سے جدا ہو گئے اسلئے میں اکیلا واپس آیا۔ نومبر کے وسط میں میں نے طہران چھوڑا۔ چونکہ چند روز پیشتر بہت برف پڑ چکی تھی اسلئے مجھے امید تھی کہ کوہ البرز پر خرزان کا درہ بہت سرد ہوگا۔ میں کاسوین تک تو بڑے آرام سے گاڑی میں بیٹھ کر آیا اور پھر وہاں سے ریشط تک تین دن میں گھوڑی پر آیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ خلاف امید میری خوش قسمتی سے اچھے موسم کی وجہ سے درہ برف سے خالی ہو گیا تھا اور میرے سفر کے اوس حصے میں دن خوب روشن تھا اور ہوا ٹھہری ہوئی تھی۔

کاسوین اور ریشط کے تقریباً بالکل درمیان میں سڑک کے اردگرد دو بڑے زیتون کے جھنڈ ہیں۔ یہ جگہ صدیوں سے زیتون کے تیل اور صابن کا مرکز رہی ہے۔ اس ضلع میں تقریباً ساٹھ گاؤں یہ کام کرتے ہیں انمیں اسی ہزار سے لاکھ تک درخت ہوں گے جنمیں سے ہر ایک سے چھ سے دس پونڈ تک پھل ہر سال اوترتا ہے۔ ایران میں زیتون کے پھل کا استعمال بمقابلہ اور ملکوں کے زیادہ قدیم زمانے سے چلا آتا ہے اور یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے کہ گاؤں والے بعض پرانے درختوں کی منگھڑت عمریں بیان کریں جیسا کہ اٹلی میں بعض زیتون کے درخت حیرت انگیز قدیمی عمر کے بتائے جاتے ہیں۔

مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ زیتون کے پرانے تنوں سے نئی نئی شاخیں پیدا ہوا کرتی ہیں۔ جیسے ایران میں چنار کے درختوں کی حالت ہے اسلئے پرانے درخت شاخوں سے پھر تر و تازہ ہو جاتے ہیں اور آئندہ نسلوں کو ان پرانے تنوں کی وجہ سے وہی پرانے درخت معلوم ہوتے ہیں۔ باکو کے میسرز کو دسنر تھیو فیلکٹو نا اینڈ کو نے اس ضلع میں تیل نکالنے اور صاف کرنے کی اجازت لی ہے۔ میں نے اون کی عمارتوں کو بھی دیکھا جو وہ اپنے کاروبار کے واسطے ایک دریا کے کنارے پر بنا رہے

ہیں۔

رودبار کے قریب سے نہایت سخت لکڑی والے درختوں کے جھنڈ شروع ہوتے ہیں جو بحیرہ خضر کے ڈھلوانوں اور نیچی جگہوں کی تر زمین میں خوب پھیلتے ہیں۔ نومبر میں اون کے پتے نہایت ہی خوبصورت تھے اون میں کئی رنگ تھے نازک سرخ رنگ سے لیکر گہرے قرمزی تک جنہیں سبز اور بھورے رنگ کا ساتھ تھا۔ بعض بلند گھنے جنگلوں والی پہاڑیوں پر مختلف رنگ اسقدر صفائی سے نظر آتے تھے جیسے سیدھے کناروں والی پٹیاں اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کس قسم کے درخت کس قسم کی زمین میں اگتے ہیں اور کہاں کہاں وہ اوروں کی نسبت زیادہ ہوتے ہیں۔

بحیرہ خضر کے ساحل سے تقریبًا چالیس میل کے فاصلے پر میں مینہ اور کیچڑ میں پھنس گیا اور کیچڑ بھی ایسا جسکی حقیقت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ میں انزیلی سے ایک روسی جہاز طہران پر سوار ہوا یہ ایک بڑے جہاز کی بجائے چلتا تھا جو عمومًا ڈاک کے کام کے واسطے استعمال کیا جاتا تھا۔ جب میں سوار ہوا سمندر چڑھ رہا تھا۔ میں خوش قسمتی سے کہاڑی کے دروازے کے ناقابل گذر ہونے کے پیشتر سوار ہوگیا۔ اس آگبوٹ پر پالسوٹن لوہے کا اسباب تھا یہ برقی روشنی اور اور چند دوں کی کلیں تھیں جو طہران کو لیجائی جارہی تھیں لیکن سمندر کی لہروں کی وجہہ سے اون کو اوتار نہ سکے۔ اسلیئے اب یہ دوسری دفعہ باکو کو لیجائی گئیں۔ کیونکہ ایک دفعہ پیشتر بھی ایک حادثے کی وجہہ سے انہیں اوتارنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

ہوا اور خراب موسم اکثر انزیلی پر اوترنے سے روکتے ہیں۔ کئی دفعہ تحریک ہوئی ہے کہ کہاڑی کے منہ کو اسقدر گہرا کردیا جائے کہ آٹھ سو ٹن کا آگبوٹ آسانی سے اندر جاسکے۔ لیکن اس کام کے اخراجات اسقدر بڑے ہیں کہ اس کے عوض میں جو نفع ہونے کی امید ہے وہ اون کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے آسترا اور لینکوران میں بھی جہاں انزیلی اور باکو کے درمیان جہاز ٹھیرتا ہے اوترنے میں ویسی ہی تکالیف پیش آتی ہیں۔ اگر کبھی ساحل ہی کا شوق

اور ہمدان تک ریلوے بنانے کا ارادہ ہو جہاں یہ بغداد ریلوے کو جا ملے تو اس حالت میں یہ ہر طرح سے اچھا ہوگا کہ ساحل کے ساتھ ساتھ ایک ریلوے بنا کر رشت اور باکو کو ملا یا جاوے جو آستارا اور لنکوران میں سے ہو کر گذرے ۔

ساحل کا ملک چاولوں کے واسطے مشہور ہے۔ جنگل اور بحر میں بہت کثرت سے آمدنی کے ذرائع موجود ہیں، جب ملک آمد و رفت کے واسطے کھل جائیگا تو بہت سا مقامی کاروبار شروع ہو جائے گا اور باکو کی زمینوں کی تجارت سے بہت فائدہ ہوگا۔

میں یقین کرتا ہوں کہ روسی جانتے ہیں کہ تقریباً تین میل کے ساحل پر گودی بنانا جس میں تجارتی آسانیاں بکثرت ہیں اس سے آسان ہوگا کہ بندرگاہ کی عدم موجودگی لہروں کا زور توڑنے والے پشتے اور محفوظ لنگرگاہوں کو بنایا جائے اور جہاز رانی کے قابل نہریں کھودی جائیں ۔ دو تہائی فاصلے تک یہ سڑک روسی عملدرآمد میں ہوگی ۔

یہاں انزلی میں ایک اجنبی مصور کو ملا جس سے میری واقفیت طہران میں ہوئی تھی، جہاں اوس نے وہاں کی زندگی اور منظر کی بہت اچھی اچھی تصویریں کھینچی تھیں وہ عناصر کی بڑے زور سے شکایت کرتا تھا۔ خاصکر بارش اور کیچڑ کی ۔ اوس کو واپسی کے وقت بہت کم آرام کے وسائل میسر آئے تھے ۔ آرام تو ایکطرف بلکہ بہت تکلیف ہوئی تھی جب وہ ڈاک کے جہاز کی طرف جا رہا تھا ۔ تو اس نے ایران کیطرف تھوک کر ان الفاظ میں اپنی نفرت ظاہر کی ۔ آق - آق کیسا برا ملک ہے ۔ خدا نکرے کہ میں پھر یہاں آؤں جب میں نے اوس سے طہران اور اس کے قلب کا ذکر کیا تو اس نے اقرار کیا کہ میں وہاں بہت خوش تھا اور اس جگہ کو بھی پسند کرتا ہوں مگر ایران کی تمام خوشگوار یادگاریں سب بارش اور کیچڑ کے سمندر میں غرق ہو گئی ہیں ۔

باکو تک کے بحری سفر میں کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔ آستارا کے نام سے دو مقام ہیں ایک ایرانی اور دوسرا روسی اور اون کے درمیان سرحدی ندی ہے

آگبوٹ نے ایک حصہ رات کا پہلے مقام پر گذارا اور پھر صبح کو تین میل چلکر
دوسرے مقام کے سامنے کے ایک لنگر گاہ پر جا پہنچے۔ وہاں روسی چنگی خانہ
کے افسر اسباب کے ملاحظہ کے واسطے جہاز پر آ پہنچے۔ جہاز کا اول میٹ بھی
تلاش میں شامل تھا۔ اور ایک مسافر کے اسباب میں ایک زنگ آلودہ پستول
کو پاکر بہت خوش ہوا۔ یہ سوال پیش ہوا کہ آیا پستول بھری ہوئی ہے یا خالی
اوس نے اس کے دریافت کرنیکا بیڑہ اوٹھایا اس لئے گھوڑے کو پورا اوپر
اوٹھایا اور نالی منہ میں رکھکر پھونکا اور انگلی کو ٹوپی کے سوراخ پر رکھا
یہ دیکھنے کو کہ ہوا نکلتی ہے یا نہیں۔ تب اسنے بے وقوفی سے مجھ سے بیان
کیا کہ یہ کسی ایسے ہتھیار کے بھرے ہوئے یا خالی ہونے کی بابت دریافت کرنیکا
یقینی طریقہ ہے۔ اس وقت اسنے خیال کیا کہ پستول بھری ہوئی ہے مگر غور
سے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ زنگ سے بند ہو گئی تھی ۔

میرا راستہ قسطنطنیہ کے راستہ جانے کا تھا۔ لیکن جب میں باکو میں پہنچا
تو معلوم ہوا کہ تفلس اور بیتوم کی ریل کی سڑک نہایت ہی سخت طوفان اور
غیر معمولی سیلاب کیوجہ سے اسقدر بہہ گئی تھی کہ اب ہو گئی تھی کہ بہت
مدت تک تمام کاروبار بند رہا۔ میں اوجاری کو گیا جو باکو سے سات میل کے
فاصلے پر ایک اسٹیشن ہے۔ یہاں ایک اسکاٹلینڈ کے رہنے والے شریف آدمی
نے میری بہت خاطر تواضع کی اوسکا نام مسٹر انیڈر ریوار کہارٹ تھا۔

وہاں اوس نے شراب بنانے کا پانی سے چلنے والا کارخانہ بنا رکھا ہے
اور وہاں میں نے تفلس سے بذریعہ تار دریافت کیا کہ آیا مجھے ولیدی کاوکس
میں گھوڑا گاڑی مل سکے گی تاکہ وہاں سے ریل میں سوار ہو کر روس میں
ہوتا ہوا گھر پہنچ جاؤں تو جواب آیا کہ یہاں بیطوم کے جانیوالے مسافر
جو سب کے سب ولیدی کاوکس کی راہ سڑک سے جانا چاہتے ہیں تعداد میں اسقدر
زیادہ ہیں کہ تمہیں اپنی باری کا کئی روز تک انتظار کرنا پڑیگا۔ چنانچہ اپنے
مہمان نواز میزبان کے پاس چھ روز تک ٹھیر کر میں باکو واپس چلا گیا وہاں
سے جہاز پر سوار ہو کر پیٹروسک پہنچا اور ریل میں بیٹھکر ماسکو اور سینٹ پیٹرزبرگ

ہوتا ہوا برلن کی راہ انگلستان کو روانہ ہوا۔
اب گروسنوجی کے قریب جو کہ قافت کے شمال کیطرف پیڑ ووسکت ولیڈی کاوکس ریلوے پر ایک اسٹیشن ہے۔ ایک مٹی کے تیل کا کھیت بن رہا ہے۔ ایک انگریزی کمپنی نے بہت سا خرچ کرنے کے بعد خوش قسمتی سے وہ چشمہ دریافت کر لیا ہے جس کی امید میں انہوں نے اور اوروں نے بہت مدت تک کوشش کی ہے۔ کچھ مدت تک آوارے تیل کی موجودگی یا عدم موجودگی معلوم کرتے رہے اور بہت سے کنوئیں کھود ڈالے ہیں آخر کار اگست کے اخیر میں تین سو پچاس فیٹ کی گہرائی پر تیل معلوم ہوا اور یہ اتنے زور سے نکلا کہ زمین سے پانسو فیٹ اونچی چلا گیا یہ کنواں ایک پہاڑی کے پہلو میں تھا اور نیچے کی وادی پہلے سے خوب صاف کر دی گئی تھی۔ تاکہ تیل کا ایک بہت سا ذخیرہ جمع رہ سکے۔ لیکن چشمہ اسقدر زور سے بہہ رہا تھا کہ چند روز کے بعد تیل پشتے کے سر تک پہنچ گیا۔ اور اگرچہ اوس کو اونچا اور مضبوط کرنے کی بہت کوشش کی گئی۔ مگر تیل اس کے اوپر سے بہنے لگا۔ اور پشتے کے اوپر کے حصے کو بھی بہا کرلے گیا۔ لاکھوں گیلن تیل ضائع ہوا۔ اگرچہ بہتے وقت راستے میں تیل نے ایک اور ذخیرہ کو بھر دیا جو مخالف کمپنی کا تھا۔ اوس کے اپنے کنوؤں میں سے تیل بالکل نہیں نکلا تھا اتفاقاً بہتا ہوا تیل پشتے سے چار میل نیچے زمین کے ایک گہرے سے قطعے میں جا پہنچا اور اس میں جمع ہونے لگا۔
جب چشمہ اسطرح زور سے لگاتار بہتا رہا تو گروسنوج کے حاکم کو اس تیل کی رو کو نقصان کرتے ہوئے دیکھکر تشویش ہوئی اسلئے اوسنے چار سو سپاہی انگریزی انجینیر کے حوالے کئے جنکی باقاعدہ محنت سے پشتہ تیار ہو گیا اور تیل کا سیلاب رک گیا۔ میں دوست سے ملنے یہ سنا وہ ۲۷ نومبر وہاں گیا تھا اوسوقت بھی اس نے چشمے کو بیس فیٹ کی بلندی تک اچھلتے ہوئے دیکھا۔ جھیل تقریباً تین سو پچاس گز لمبی اور ایکسو بیس گز چوڑی اور پچاس ہوسا ٹھ فٹ تک گہری تھی۔ ۱۰ اجنوری کو بھی چشمہ بہہ رہا تھا۔ مگر

اس کے بعد بہت جلد ہی بند ہوگیا۔ اسی کمپنی کو پھر ایکدفعہ خوش قسمتی سے پہلے چشمے کے قریب ہی ایک اور چشمہ ملگیا۔ مگر یہہ تعجب کی بات ہے کہ اور جتنی کمپنیاں تیل کی تلاش میں ہیں انہیں سے کسی کو ابھی تک ایک گیلن بھی تیل نصیب نہیں ہوا۔ اور تمام خوش قسمتی کا ایک ہی شخص کے حصے میں آجانے کا حال گلیڈ بیگ کی قسمت سے ملتا جلتا ہے جس کا ذکر گولڈن نمبر (ناول) میں ہے ؏

مسٹر سٹونز جو ضلع بیطوم میں انگریزی کونسل ہے ۱۸۹۴ء کی رپورٹ میں لکھتا ہے کہ روغن نفت (مٹی کا تیل) کی مانگ روس میں بوجہ اس کے ریلوں آگبوٹوں۔ کارخانوں اور دیگر بھاپ کے کاموں میں استعمال ہونے کے اسقدر بڑھ رہی ہے کہ عنقریب بحیرہ خضر کے آس پاس کے تمام کنوؤں کی پیداوار روس کے اپنے ہی ملک میں خرچ ہوا کریگی۔ بلکہ اغلب ہے کہ یہہ مانگ کو پورا بھی نہ کر سکیگی۔ بلحاظ ان باتوں کے گروسنج کے کنوئیں۔ جو روس کے وسطی ریلوے پر واقعہ ہیں بہت منفعت بخش ہیں۔ میں ۳۰ نومبر کو برف کی بہار میں پیٹرو سک پر اترا۔ دیکھا تو تمام ملک موسم سرما کی برفانی چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ یکم اکتوبر کو روس کی تمام ریلوں کے کرائے بہت کم کر دئے گئے ہیں۔ اسمیں حکمت عملی یہ معلوم ہوتی ہے کہ ملک میں آمد و رفت او کاروبار کو بڑھا یا جائے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ عام لوگوں کے خیالات میں فراخی ہوگی اور حالت اچھی ہو جائے گی ؏

اب روس میں ریل کا سفر اور ریلوں کی نسبت کہیں سستا ہے بحیرہ خضر سے سینٹ پیٹرز برگ کا تو فرسٹ کلاس ٹکٹ ۴ پونڈ ۱۰ شلنگ کو ملسکتا ہے اور باقی درجوں کی شرح بہت کم ہے۔ گاڑیاں بہت آرام دہ ہیں اور ناشتے کے کمرے بہت عمدہ ہیں۔

اگر پیٹرو سک سے باکو اور انزلی تک جہازوں کی روانگی کے وقت اچھی طرح معلوم ہوں تو آدمی لنڈن سے طہران تک چودہ روز میں جا سکتا ہے البتہ اس حالت میں استقلال سے سفر کرنے کی ضرورت ہو گی۔ کئی جگہ ریل

بدلنی پڑتی ہے اور ایک سو میل تک زین میں بیٹھنا پڑتا ہے۔ پہلے سے شدائد زندگی کا بھی تجربہ ہونا چاہیئے۔ تاکہ مسافر اوس غریبانہ سامان پر گذارہ کر سکے جو اسے ایران کی چوکیوں پر میسر ہوگا۔ لیکن جو روسی سڑک آجکل بن رہی ہے اوس کے تیار ہو جانے پر گھوڑے کے سفر کے بجائے بہت جلد آرام گاڑیوں کی سواری ملجایا کرے گی۔ اور سڑک پر چوکیاں بھی عمدہ طور سے خوراک اور آرام کے سامان سے مہیا ہوں گی۔

شاہ عبدالعظیم کی مسجد اور خانقاہ جو طہران سے پانچ میل کے فاصلہ پر ہے شہر کے لوگوں کے واسطے ایک مشہور مرجع عام ہے چونکہ یہ گنجان آباد دار الخلافہ کے قریب ہے۔ اسلیئے یہ ایک مذہبی جگہ ہونے کے علاوہ لوگوں کے واسطے تفریح گاہ بھی ہے۔ اکثر فرمانروایان ملک اس خانقاہ کا ادب کرتے رہے ہیں خاصکر موجودہ خاندان کے بادشاہ جمعہ کے روز جو مسلمانوں کا ہفتے میں خاص عبادت کا دن ہوتا ہے اور جسکے معنے ہیں جمع ہونے کا دن بہت سے لوگ شاہ عبدالعظیم کی خانقاہ پر جاتے ہیں۔

یکم مئی بروز جمعہ کو اس خانقاہ میں ایک نہایت ہی افسوسناک واقعہ ہوا جس کی نظیر ایران میں نہیں ملسکتی۔ اسروز ناصرالدین شاہ قتل کیا گیا تھا یہ وہ شہنشاہ تھا جو عنقریب اپنی الیسی سلطنت کا جشن جوبلی کرنے کو تھا جو نہ صرف اپنی غیر معمولی لمبائی عمر کے واسطے ہمیشہ مشہور رہے گی۔ بلکہ اپنے امن و چین اور ہر دلعزیزی کے واسطے بھی بے نظیر رہے گی اس ہر دلعزیزی کا ثبوت یہ ہے کہ شاہ ناصرالدین تین مرتبہ اپنے ملک کو چھوڑ کر یورپ گیا ہر مرتبہ جب واپس آیا تو رعایا نے بڑے تپاک سے اسکی آؤ بھگت کی

یہ مشرقی تواریخ میں ایک ہی مثال ہے۔
جب پچھلے اکتوبر میں مجھے اس شاہ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا تو مجھے مطلقاً یہ خیال نہیں تھا کہ یہ بادشاہ جس سے لوگ محبت کرتے ہیں اور اسکی مداح ہیں اور جو اسوقت اپنی جوبلی کے جلسے کا انتظار کر رہا تھا اسطرح اپنی رعایا کے درمیان جوبلی کے جلسے سے پانچ روز پیشتر ایک قاتل کے ہاتھ سے مارا جائے گا۔
قطع نظر اوس کی شروع سلطنت کے واقعات کے جبکہ اوس کو بتقاضائے وقت اور بوجہ سازشوں کے خون بہانا پڑا۔ وہ آخری عمر میں موت کی سزا دینے سے اسقدر احتراز کرتا تھا کہ اوس کی یہ عادت ایک نقص کے درجہ کو پہنچ گئی تھی۔
مجھے یاد ہے کہ ایک چور کے معاملے میں جو کئی خون کر چکا تھا اسقدر ڈھیل کیگئی تھی کہ یہ بڑی سوداگروں اور مسافروں کے واسطے مضر ثابت ہو رہی تھی۔ جب یہانتک نوبت پہنچی تو اسے قتل کی سزا دیگئی میں پیشتر ذکر کر چکا ہوں کہ کسطرح لوگوں کو شاہ مرحوم پر بھروسا ہوگیا تھا کہ وہ اپنے لوگوں کی حفاظت کرنا چاہتا ہے اور کسطرح اوس نے اپنے آپکو جنگی قبائل میں ہر دلعزیز بنا رکھا تھے۔ اوس کی موت کا جرم کیا بلحاظ اوس کی جان کے جو ضائع کیگئی اور کیا بلحاظ اوس جگہ کے جہاں یہ جرم کیا گیا۔ بلا شبہ ایک خباثت کا کام سمجھا جائے گا۔ اگر اسبات کا بھی لحاظ کیا جائے کہ اس جرم سے خاندان قاچار کی طاقت کو برباد کرنے یا گھٹا لینے کا ارادہ کیا گیا تھا تو جرم اور بھی سنگین ہو جاتا ہے اکثر بیدار ایرانیوں کے دل یہ خیال کرکے خوف سے بھر جاتے ہوں گے کہ اون کے اپنے ہی مذہب کے آدمی نے ایسی حرکت کرنے کی جرأت کی جو اون کے شہنشاہ کی رعایا میں سے تھا۔
ایک بڑے سے بڑا مجرم بھی امن سے ایک مسلمان کی خانقاہ میں رہ سکتا ہے اور ہم نے سنا ہے کہ ان جگہوں میں با آرام رہنے سے مجرم کو اپنے اعمال پر

سوچنے اور توجہ کرنے کا موقعہ ملجاتا ہے۔ اسطرح وہ بہت سی برائیوں
سے چھوٹ جاتا ہے۔ ہم خیال کرسکتے ہیں کہ ایسی قوم کے دل کیسے تھرا
جاتے ہوں گے جبکہ وہ شاہ کے ٹھیک حدبندی کے زنجیر کو کتر کر دور الگ
ہوتے وقت مارے جانیکا خیال کرتے ہونگے۔

کہتے ہیں کہ قتل کی تحریک مشہور فسادی جمال الدین نے کی تھی جو اصل
میں تو مغربی طہران میں ہمدان کا رہنے والا ہے۔ مگر افغان کے نام سے مشہور
ہے چونکہ وہ کچھ مدت افغانستان میں رہ چکا تھا۔ اس لیئے لفظ افغان
اوس کے نام کے ساتھ مشہور ہوگیا تھا وہ ۱۸۹۱ء میں طہران میں بہت
مشہور تھا۔ کیونکہ اوس نے بہت سی پرجوش تقریریں یورپی لوگوں
کے دخل کے خلاف کی تھیں۔ میں نے سنا ہے کہ اوسی کی تحریک سے تمباکو
کا ٹھیکہ ٹوٹا تھا اوسی نے تمام ایران کے ملاؤں کو اکسایا تھا اور قریب
قریب ایک بغاوت پھیلا دی تھی اسمیں شک نہیں کہ جمال الدین نے طہران
کے فساد میں بہت بڑا حصہ لیا۔ مگر وہ ایک بڑا سرگروہ نہیں تھا۔ جیسا کہ
بعض لوگ خیال کرتے ہیں چونکہ یکایک اجنبیوں نے مزدوری کا باقاعدہ
انتظام اور محصول آبکاری کے قواعد کو شروع کر دیا جسکی وجہ سے کہا جاتا ہے
کہ بیشمار چھوٹی چھوٹی دکانوں کی بجائے چند گودام قایم ہوئے اسلیئے
چھوٹے چھوٹے سوداگروں کی بیکار رفت جسکا یہ آبائی پیشہ تھا بر سر
پرخاش ہوگئی۔ جنہوں نے لوگوں کے خوف اور خیالات کو بڑھا دیا۔ تب
ملا اور دوسرے لوگ سرغنے بن گئے اور ٹھیکہ کو توڑ دیا۔ جمال الدین جیسے
آدمی کی طبیعت کے یہ نہایت موافق تھا کہ وہ ایسے وقت طہران میں
موجود تھا اور وہ ایک نہایت پرجوش مقرر ہوگیا۔ پہلے پہل وہ صرف
تمباکو کے اجارے اور تمام یورپی مہموں کے خلاف تقریریں کرتا رہا۔ اور جب
اوس کی سخت تقریروں کی سزا دینے کی کوشش کیگئی تو شاہ نے کہا
کہ ایران میں مدت سے تقریر کی آزادی ہے اور یہاں عموماً الفاظ عمال کا کام
دیتے رہے ہیں۔ لیکن جمال نے اس آزادی کا غلط مطلب سمجھا اور وہ

رفتہ رفتہ یہانتک دلیر ہوگیا کہ اوس کی تقریریں قابل برداشت ہوگئیں وہ بادشاہ کی نفرت کو بھی اپنے دل میں نہ چھپا سکا اور اپنی یہ رائے ظاہر کئے بغیر نہ رہ سکا کہ ایران کو شاہ اور اوس کے خاندان قاچار کے ہاتھوں سے رہا کرنا چاہیئے۔ اُسے منع کیا گیا مگر وہ دلیل کو کب سنتا تھا۔ تب اُسے گرفتار کرکے یہ سُنا دیا گیا کہ تم ایران سے بدر کئے جاؤ گے۔ جب سپاہی اوسے طہران کو لیجا رہے تھے وہ کوشش کرکے راستہ میں بھاگ گیا اور شاہ عبدالعظیم کی خانقاہ میں پناہ لی جہاں یکم مئی کو اس کے ساتھی مرزا محمد رضا نے شاہ کو مہلک زخم پہنچایا۔ تب جمال نے اپنی پناہ گاہ سے گورنمنٹ کے ساتھ خط وکتابت شروع کی اور آخر کار اوسے بآرام ایران سے باہر چلے جانے پر راضی کیا گیا۔ یہ کہا جاتا تھا کہ اوس کو جانے کی اجازت دینے میں اوس کے ساتھ بہت فیاضانہ برتاؤ کیا گیا۔ مگر مجھے معلوم ہے کہ اوس کو اسپر بھی شکایت تھی۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ شاہ سے سخت نفرت کرتا تھا اور اسبارہ میں وہ کسی کی نہیں سنتا تھا۔ ایران چھوڑکر وہ قسطنطنیہ چلا گیا۔ جہاں کہا جاتا ہے کہ اوسکو شاہ کے خلاف نفرت انگیز تقریریں کرنے کی پوری پوری آزادی دیگئی۔ آخر شاہ نے سلطان کو ایک نامہ لکھا جس کے جواب میں سلطان نے لکھا کہ جمال علمی شغل کیواسطے اسی علیحدہ جگہ کو جا رہا ہے۔

جمال الدین ہمدان کا رہنے والا ایرانی رعایا تھا اور شیعہ مسلمان تھا اگرچہ اپنی آسانیوں کے واسطے وہ سنیوں کے ملک میں سُنی بن جاتا تھا۔ جب ۱۸۹۰ء میں وہ بطور ایک عالم کے طہران میں آیا تو شاہ نے اُس سے بہت اچھی طرح سلوک کیا اور کہتے ہیں کہ اس نے شاہ کی میزبانی کو منظور کیا اور اُس سے بہت محظوظ ہُوا۔ مگر اسپر بھی وہ اپنے شاہی میزبان کے خلاف سازش کرنے اور خاندان قاچار کو برباد کرنے کی کوشش سے باز نہ آیا۔ غالبًا اسوقت اپنے ایران کے قیام میں اس کو بخوبی معلوم ہوگیا ہوگا کہ شاہ کا تسلط زور لیتی اور با امن حکومت کیوجہ سے ہے اور حلیم طبیعت

کے سبب سے لوگوں کے دلوں میں اسقدر جاگزین تہا کہ اوس کی زندگی میں بغاوت کرکے کامیاب ہونے کا کوئی موقعہ نہیں تہا اور یہی وجہ سے اوس کے قتل کا اہتمام کیا گیا ہوگا۔

جمال الدین کی بابت اہل مشرق میں مشہور ہے کہ وہ دوسروں میں جوش پہیلانے اور ادبیرانیا اخلاقی اثر ڈالنے کی بڑی زبردست قدرت رکہتا تہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اوسکا شاگرد محمد رضا بہی اپنے اوستاد کی طرح مہربانی کی قطعًا پرواہ نہیں کرتا تہا اور نیکی کے بدلے برائی کرنے کا مصمم ارادہ رکہتا تہا۔ جمال الدین کی اصلاح ایران کے پروگرام کا پہلا حصہ پورا کرنے کے واسطے وہ نہایت ہی موزوں آدمی تہا۔ لیکن یہ نہیں سوچا گیا کہ اس قتل سے الٹا نقصان ہو۔ شاہ عبد العظیم جیسے بزرگ کے مقبرے میں ایسے جرم کے ہونے سے لوگوں کے دل پہر گئے ہیں اور اسکا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ جمال الدین کے مدعا کی بڑے زور سے مخالفت کیجائے اور اب لوگ خاندان قاچار سے اور بہی زیادہ محبت کریں گے۔

جمال الدین نے شیعوں اور سنیوں کے اتحاد کی غرض سے ایک میٹنگ بہی کی تہی۔ سنی فرقے کے بڑے بڑے ترقی یافتہ لوگوں میں اکثر یہ خیال پیدا ہوا ہے۔ اوس نے بیان کیا اگر یہہ دونوں فرقے آپسمیں ملکر اپنا دین و مذہب ایک کرلیں تو اسلام کو بہت فائدہ ہوگا۔ کہتے ہیں کہ وہ اپنے ان خیالات میں بہت رہشتبازی سے کوشش کرتا تہا اور ایران میں اسکا نتیجہ بولنے میں کامیاب بہی ہوگیا۔ کیونکہ اب بہی وہاں کبہی کبہی اس مضمون پر بحث ہوتی ہے۔ لیکن یہ خیال بالکل غیر ملکوں سے پیدا ہوا تہا۔ اور اکثر جمال الدین جیسے جوشیلے آدمی اس کو ملک میں پہیلاتے رہے ہیں جنہوں نے اپنے ایرانی دینی اور ملکی فخر کو اس خواہش سے بدلدیا ہے کہ وہ اسلام کو قسطنطنیہ سے پیکن تک حکومت کرتا ہوا دیکہیں۔ یہ خواہیں دیکہنے والے لوگ ان باتوں کو بہول گئے ہیں جن کو ایران کے دانا اور مولوی خوب جانتے ہیں۔

شیعوں کے مذہبی خیالات ہی کی وجہہ سے ایران کی قومی حیثیت اب تک قایم ہے۔ بغیر اس کے اون کی قوم کے کبھی کے شیرازے بکھر گئے ہوتے۔

تمام ایران میں ہر سال حضرت علی کی اولاد کی شہادت کے یاد کرنے کو کھیل کئے جاتے ہیں اور روزے رکھے جاتے ہیں جنمیں قاتلوں کو گالیاں سنائی جاتی ہیں۔ انہیں رسموں کی بدولت ایرانیوں کی حب وطن اور آزادی کا فخر قایم ہے کیونکہ ایرانی مذہب اور حب وطن کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں غالباً دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں جہاں ملک اور مذہب ایسے پوری اور مفید طور پر ملے جلے ہوں۔ اگر بادشاہ شیعہ نہوتا تو یہہ ملک مدت کا سُنی ہمسایوں میں تقسیم ہوچکا ہوتا۔ سُنی لوگ خیال کرتے ہیں کہ بدذات رافضیوں کا قتل کرنا ایک نہایت پاک کام ہے اور انکا غلام بنالینا بہت ہی اچھا ہے تاکہ کفار عبرت پکڑیں اور سچے اسلام میں داخل ہوکر جہنم کے عذاب سے نجات پائیں (مصنف کا یہ خیال یا تو شرارت پر مبنی ہے تاکہ دونوں فرقوں میں نفاق ڈلواکر ایران کو ترکی اور افغانستان سے علیحدہ رکھا جائے اور اپنا سکہ بٹھایا جائے) یہی وجہہ تھی کہ ہرزہ اور دریائے اکسس کے کنارے چھوٹے چھوٹے علاقوں کے شیعہ لوگ سنیوں کے ہاتھوں غلاموں کی طرح بکے اور ترکی منڈیوں میں شیعہ سرکاشیوں کی خرید و فروخت اسی بناء پر جایز رکھی گئی تھی۔ مدتوں کے تجربے سے شیعہ لوگوں کو معلوم ہوگیا ہے کہ اگر ایکدفعہ ہم سنیوں کے قبضے میں آگئے تو بالکل مجبور ہو جائینگے ایرانیوں کے دلوں میں یہ خیال ایسا سما گیا ہے کہ کبھی کبھی وہ اپنے سُنی ہمسایوں کو تیار دیکھکر بہت رنج کرتے ہیں اور یہ خیال اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے۔

۱۸۹۲ء میں ہرات کے بازار میں شیعہ اور سنیوں میں جھگڑا ہوا۔ جسکا انجام یہ ہوا کہ بہت سے شیعہ لوگ مارے گئے اور انکا اسباب لوٹا گیا کیونکہ سُنی مولویوں نے یہ فتوے دیدیا تھا کہ شیعہ مشرکوں کا جان و مال

سنیوں کے واسطے جائز ہے۔ تب مشہد کے ملاؤں نے شاہ سے یہ قصہ بیان کیا اوس نے امیر عبدالرحمن کیطرف شکایت لکھی۔ چونکہ امیر ایک مضبوط و عقلمند حاکم تھا اوس نے اس کا کافی تدارک کر دیا۔ مذہبی دشمنی افغانستان میں بہت سخت ہے۔ اگر کابل کے قزلباش جنگجو طبیعت کے اور اچھے لڑنے والے نہ ہوتے تو متعصب ملا انہیں کبھی وہاں ٹکنے نہ دیتے۔

مشترک خطرے کی وجہ سے تمام قزلباش یکجہت ہو کر رہتے ہیں اور ہر وقت ہتھیار باندھے لڑکر اپنی جان بچانے کو تیار رہتے ہیں اور ایک ایسی طاقت بن گئے ہیں جس سے حاکم صلح رکھنا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ وقت پر وہ اون کی مدد کریں۔ لیکن باوجود ان تمام باتوں کے سُنی مولویوں اور حاکموں کا کینہ ہرگز نہیں دب سکتا میں بھی جنرل سر ولیم مینس فیلڈ (لارڈ سینڈہرسٹ مرحوم) کے ساتھ تھا جبکہ وہ بحیثیت کمانڈر انچیف کے امیر شیر علی سے ادھر اودھر کی باتیں کر رہا تھا اثناء گفتگو میں امیر نے نکتہ چینی کے طور پر اونچے عیسائیوں کے مذہب کے دشمنانہ اختلاف پر (جیسا کہ وہ اُسے کہتا تھا) چند سخت کلمے کہے مسٹر ولیم نے جواب دیا کہ اسلام میں بھی تو دو بڑے بڑے مختلف فرقے ہیں اور پوچھا کیا کابل میں بھی بہت سے شیعہ ہیں تو اسوقت شیر علی کے چہرے پر ناخوشی کے آثار ظاہر ہوئے اور تھوڑا سا اون کی طرف مڑ کر جو اوس کے پیچھے کھڑے تھے کہا کہ ان کتوں میں سے بعض باقی ہیں جن کے بزرگ آگ میں جلائے گئے تھے۔

شیعہ اور سُنیوں کے جھگڑے ٹرکی اور ایران کے نہایت دوستانہ تعلقات کو برباد کرتے رہتے ہیں۔ ایکدفعہ یقیناً ایسا واقعہ ہوا۔ سولھویں صدی میں جبکہ ٹرکی سلطنت نہایت زبردست اور عروج پر تھی ایران کے خوف نے جو اسوقت سخت دشمن تھا ٹرکی فوج کو قسطنطنیہ سے شمال و مغرب کیطرف اپنے فتوحات بڑھانے کو روکا اور اس طرح آسٹریا اور روس کو بہت فائدہ ہوا۔

چنانچہ مدت سے پالیٹیکل حکمت عملی کا بڑا شاہی رنگ ہے کہ سُنی اور شیعہ میں اتحاد پیدا کیا جائے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسٹریا کو اس طرح ٹرکی سے ایران

کا خوف طاری ہونے کی وجہ سے فایدہ پہنچا یہ عجیب اتفاق ہے کہ ایران کے
سیاسی تعلقات اوسی وقت سے انگلستان اور روس کے ساتھہ قایم ہوگئے
آسٹریا ہمیشہ سے ایران کا بڑا دوست رہا ہے آسٹریا کے افسر مدت تک ایرانی
فوج میں نوکر ہے - اور شہنشاہ فرانس اور جوزف اور شاہ ناصر الدین کے صرف
ایک ہی سال ۱۸۴۸ء میں صرف تین مہینے کے فرق سے تخت نشین ہونے کو
موخر الذکر نہایت خوش قسمتی سمجھتا تا - اور دوستانہ تعلقات کے مضبوط ہونے
کا باعث خیال کرتا تھا - یہاں مجھے ایک واقعہ یاد آگیا ہے جو طہران کی آسٹروی
سفارتخانے میں ۱۸۹۱ء میں جمال الدین کی جلاوطنی کے بعد وقوع میں آیا
محمد رضا جنے شاہ مرحوم کو قتل کیا تھا ایران میں ہی رہا اور سازشیں پھیلانے
کی کوشش کرتا رہا جن کو اول جمال نے شروع کیا تھا - یہانتک کہ اوس نے
چھپے ہوئے کاغذوں کے ذریعے سے اپنے خیالات کی اشاعت شروع کر دی
جو چھاپہ اس کام میں استعمال کیا گیا تھا وہ پتھر کا تھا - آسٹری سفارتخانے میں
چند آدمی ملازم تھے جنمیں سے ایک کبھی جمال کی پوشیدہ انجمن میں جا بیٹھا
اوسے ترغیب دی گئی کہ تم پریس اپنے گھر میں لگا لو - جیسا کہ عموماً واقع ہوتا ہی
ایک شخص اون میں سے اپنے بھائیوں کا بھید فاش کرنے پر تیار ہوگیا - اور
پولیس گرفتاری کے کام میں ایسی مشغول ہوئی کہ سپاہی بغیر اون حقوق کا
خیال کئے ہوئے جو کسی اجنبی سفیر کے ملازم کو حاصل ہوتے ہیں مرزا کے گھر میں
گھس آئے - جبکہ وہ بغاوت آمیز کاغذات چھاپ رہا تھا اور پیشتر اس کے
کہ سفیر کو اس معاملے کی اطلاع ہوتی وہ مرزا کو قید خانے میں لے گئے - خبر ہوتے
پر سفیر نے حقوق بین الاقوام کے پامال ہونے کی سخت شکایت کی فوراً اوسکی
پوری پوری تسلی کیگئی - پولیس کے حاکم نے آکر معافی مانگی - اور قیدی کو
رہا کر کے سفارتخانے میں بھیج دیا -
سفیر نے تب اپنے طور پر تحقیقات کی اور جرم ناقابل انکار ثبوت پاکر اوس نے
مرزا کو اپنی ملازمت سے برطرف کر دیا - تب ایرانی حکام نے بلا روک اوس کو
گرفتار کر لیا - اور آخرکار محمد رضا اور اوس کے ساتھیوں کے ہمراہ چھوڑ دیا گیا ہو

طہران کے ۴ مئی کے تار سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد رضا اس طرح عام طور پر گورنمنٹ سے اپنی نفرت ظاہر کرتا رہا۔ اور وہ ایکدفعہ بہت قید کیا گیا مگر رہا ہوگیا۔ شاہ نے اوس کے واسطے پنشن مقرر کردی مگر اسپر بھی وہ خوش نہوا جیسے روپے وصول کرنیوالے ڈاکوؤں کی عادت ہوتی ہے۔ لالچ اونکو اکسانا رہتا ہے چپ رہنے کی قیمت جو دی جاتی ہے وہ کافی نہیں ہے آخری عمر میں ناصر الدین شاہ کی یہ عادت ہوگئی تھی کہ وہ بابیوں سے نرمی کیساتھ سلوک کرتا تھا۔ اور سختی کو پسند نہیں کرتا تھا۔

جمال الدین کی اسلام کو پھر اٹھا لینے اور دو لڑنے فرقوں کو ملا کر ایک کر لینے کی تجویز کی بابت جو کچھ آجکل معلوم ہے اوس سے صاف ظاہر ہے کہ بابیوں کو شاہ عبد العظیم کی خانقاہ کے واقعہ سے مطلقاً کوئی تعلق نہیں تھا۔ کیونکہ ایران کے بابیوں اور جمال الدین کے پیراسوں میں کسی قسم کی مشابہت نہیں ہے میں پہلے ہی ذکر کرچکا ہوں کہ بابی سختی کو بالکل پسند نہیں کرتے عام طور پر وعظ نہیں کرتے اور چپ چاپ برداشت کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ جمال الدین کے پیرو بڑے زور سے پکار کر کہتے ہیں اور دھمکیاں دیتے ہیں۔

جب نادر شاہ تخت پر بیٹھا تو اس نے اسبات پر زور دیا کہ ایرانی لوگ شیعہ مذہب کو چھوڑکر سنی مذہب اختیار کرلیں۔ اوس نے جہانتک اوس کے امکان میں تھا کوشش کی کہ مولوی لوگ اوس کے نا قابل انکار حکم کی تعمیل کرلیں۔ لیکن بے فائدہ وہ دو دشمن فرقوں کے اختلاف کی غار کو پر کرنے میں ناکام رہا اور ایرانی شیعہ مذہب پر قائم رہے۔ خیال اور تقریر کی آزادی ایرانیوں کے دو قومی وصف اور حقوق ہیں اون کے دلوں نے مذہب کی سخت بندشوں کو کبھی قبول نہیں کیا اسلئے وہ ہمیشہ امور مذہبی اور قومی پر یکساں آزادی سے بحث کرتے رہے ہیں اون کو ایک نئے مذہب کے مطالعہ کی کوئی ضرورت نہ تھی اور یہ سوچکر کہ تبدیلی سے تکلیف ہوگی وہ فوراً ملاؤں کے ساتھ ہوگئے اور سنی ہونے سے انکار کیا۔ نادر کا لایحہ

اوس کے مذہب کی محبت پر غالب تھا۔ اور سب کو ایک مذہب میں لانے سے اوس کی یہ غرض تھی کہ ہندوستان، افغانستان، وسط ایشیا اور ایشیا کوچک کے شیعوں میں اپنا سکہ بٹھانے میں کوئی روک ٹوک باقی نہ رہے۔ شیعوں کو اسلام کی دوسری شاخ میں شامل ہونے کا حکم دیکر اوس نے قسطنطنیہ کے بادشاہ کو مسلمانوں میں اتفاق قائم کرنے کی بابت اپنے اعلے ارادے کی اطلاع دی ؂

جب ایران میں اسلام پھیلایا گیا تو یہ اور ملکوں کے فاتحین کا مذہب تھا اسلئے اس نے کبھی وہاں وہ اثر پیدا نہیں کیا جو اور ملکوں میں کیا تھا علاوہ اس کے چونکہ ایرانی آزاد خیال اور قصوں اور نظموں کے دلدادہ ہوتے ہیں اسلئے یہ شیعہ مذہب کیطرف جھک پڑے اور عربی خلافت کے زوال کے بعد یہ اون کا قومی مذہب ہوگیا۔ اب سنا جاتا ہے کہ جمال الدین کا قسطنطنیہ کے مذہبی افسروں سے تعلق تھا۔ ضرور ایسا ہی ہوگا۔ کیونکہ اوس کی ایران کی تقریروں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ایسا ہی تحریک کرنا چاہتا ہے جس سے اسلام پھر دنیا پر اوسی اعلے درجے کو پہنچ جائے جو اسے پہلے حاصل تھا ؂

تاتار کے بڑے بڑے قبیلوں میں جنہیں ہم شاہی خاندان قاچار ہونیکا دعوی کرتا ہے اس بات کی طرف بہت توجہ کیجاتی ہے کہ جو شخص کسی اعلے عہدے کا دعویدار ہے اس کی ماں کس خاندان میں سے ہے اسلئے ایران میں تخت کے دعویداروں کے بارے میں جو آجکل خاندان قاچار میں سے ہوتے ہیں ضرور خیال کیا جاتا ہے کہ آیا اوس کے والدین دونوں شاہی نسل سے ہیں اسی وجہ سے مظفر الدین مرزا شاہ مرحوم کے دوسرے بیٹے کو

جسکی ماں خاندان قاچار میں سے تھی بڑے بیٹے سلطان مسعود مرزا پر ترجیح دیگئی ہے جو ظل سلطان کے نام سے مشہور رہے۔ شاہان قاچاریہ کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنے ولیعہد کو دار الخلافہ سے دور رکھتے ہیں اور وہ آذربیجان کا جو کہ ایران میں ایک نہائیت عمدہ و زرخیز علاقہ ہے برائے نام گورنر جنرل مقرر ہوتا ہے۔ اوسکا دار الخلافہ تبریز ہے جو کہ روس اور دوسرے غیر ملکوں کے تجارتی تعلقات کیوجہ سے ایک بہت بڑا تجارتی اور بارونق شہر ہے مظفر الدین شاہ کی والدہ کو شاہ مرحوم کے دربار میں آخری دم تک بہت رسوخ حاصل تھا اور عمر بہر با قدر رکہنے ۱۸۹۲ء میں اس جہان فانی سے دار البقا کو چل بسی۔ ایک مرتبہ جبکہ مظفر الدین شاہ کے خلاف بہت سی سازشیں ہو رہی تہیں اور بڑی بڑی افواہیں اڑ رہی تہیں تو اوس کی ماں نے اپنے رسوخ سے اوس کے حقوق کو پامال ہونے سے بچا یا جب وہ فوت ہوگئی تو اوس کے دوستوں کو خوف ہوا کہ اب کوئی اس کے حقوق کا محافظ نہیں رہا لیکن صدر اعظم جو ہوقت امین السلطان کے نام سے مشہور تھا۔ بادشاہ اور لوگوں کے خیالات کو اچھی طرح سمجھکر فوراً مظفر الدین کی ماں کی بجائے خود اوس کے حقوق کی حفاظت کرنے لگا اور لوگوں کو شاہ مرحوم کے مقرر کردہ ولیعہد کو امن تخت پر بٹھا کر اوس کی وصیت کے پورا کرنے کی ہدائیت کی

مظفر الدین شاہ کے چالچلن قابلیت اور طبیعت کی بابت بہت سے خیالات دوڑائے گئے ہیں میرے خیال میں جن لوگوں کو اوس کے جانچنے کا موقعہ ملا ہے اونہوں نے عام طور پر اوس کی بابت اچھی رائے قایم کی ہے۔ وہ نرم مزاج اور خوش اخلاق ہے اور اگرچہ تقاضائے دوراندیشی وہ ولیعہد ہونے کی حالت میں کسی ملکی انتظام میں دخل نہیں دے سکتا تھا۔ تاہم بعض اوقات ایسے پیش آئے ہیں جنسے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک قابل حاکم ہے۔ اوس کی حالت ایسی تھی کہ اسے بادشاہ کے حکم سے روگردانی ظاہر کرنی مناسب نہ تھی۔ اسبارے میں اس نے ایسی عقلمندی سے کام لیا کہ کبھی اپنے خلاف شک کا موقعہ نہیں دیا۔ وہ بڑی کامیابی سے ایسی باتوں سے بچتا رہا۔

جن سے بادشاہ کے خیالات کو صدمہ پہنچتا اور وہ اُسے ہمیشہ لیبر سعید اور وفادار رعیت خیال کرتا تھا اوس کی حالت بڑی نازک تھی اور چونکہ اوسنے شاہ کی مرضی کے مطابق اپنے آپکو رکھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اوس میں دور اندیشی صبر اور دانش کی صفات موجود تھیں ؎

مظفر الدین مرزا کے ساتھ بہت مدت تک لطور قایم مقام یا وزیر کو مشہور ومعروف امیر نظام مقیم رہا - اور آذربیجان کا اصلی حاکم وہی تھا - کیونکہ شاہ علاقے کے نظام کا ذمہوار اوسی کو سمجھتا تھا اور وہ ایک بڑا زبردست آدمی تھا اور آذربیجان میں اوسکو بہت رسوخ حاصل تھا علاوہ اپنی دولت کی وجہہ سے بھی ایک بڑا آدمی تھا اسلئے یہ تعجب کی بات نہیں کہ وہ اپنے آپکو آزادانہ خیالات کا مستحق سمجھتا ہو - تمباکو کے اجارے کی عملی مخالفت پہلے تبریز سے ہی شروع ہوئی تھی اور کہتے ہیں کہ اوس نے گورنمنٹ عالیہ کی مرضی کی مخالفت کرنے پر اکسایا تھا - اسوجہہ سے شاہ نے اسے سنہ ۱۸۹۱ء میں طہران بلوالیا - اور سنہ ۹۲ء میں اسے کردستان اور کرمانشاہ کا حاکم مقرر کر دیا جہاں وہ ابتک کام کر رہا ہے

امیر نظام کے بعد حاجی مرزا عبد الرحیم قایم مقام مقرر ہوا جو پہلے قسطنطنیہ میں ایرانی سفیر تھا - امیر مرزا بھی پہلے فرانس میں سفیر رہ چکا تھا اس لیئے ان دونوں لایق وزیروں کے پورے تجربے کیوجہ سے ولیعہد کی تربیت میں اور بھی ترقی ہوئی عقلمند مصاحبوں کے ساتھ رکر اس نے وہ علم حاصل کیا جس سے نہ صرف وہ علوم الناس کے فائدہ کی بالعمل سے آگاہ ہو گیا - بلکہ اوسکو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کون کون سی باتیں ایک شہنشاہ کے شایان ہیں - اوس کی بابت یہ کہا گیا ہے کہ وہ اپنے خیالات میں دوستوں سے بالکل ملتا جلتا ہے وہ مدت تک تبریز میں مقیم رہا جہاں اوس کی وسیع سلطنت کی پوری طاقت اوس کی آنکھوں کے سامنے تھی - اگر اسپر بھی اس کو زار کی خیر خواہی حاصل کرنے کی اشد ضرورت محسوس ہوتی تو بڑے تعجب کی بات تھی - اور ہمیں پورا یقین ہے کہ دونوں وزیروں نے بھی یہی نصیحت کی ہوگی

اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ مظفر الدین شاہ کا دل صرف ایک ہی طرف جھکا ہوا ہے۔ اوس کی موجودہ اور گذشتہ حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ اوس کو اسبات کا پورا یقین ہے کہ انگریز اوس کے ساتھہ بھی ویسا ہی دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتے ہیں جیسے اوس کے والد کے ساتھ تھے اور وہ ایران کو مضبوط خوشحال اور خود مختار دیکھنا چاہتے ہیں ۔

جب امیر نظام تبریز میں تہا۔ وہ ایسی کوشش سے انتظام کرتا تہا کہ شہزادے کے کرنے کا کوئی کام نہیں رہتا تہا اور احتیاطاً وہ ملکی کاروبار میں زیادہ حصہ لینا بھی مناسب نہیں سمجھتا تہا۔ وہ زیادہ تر ایک دیہاتی شریف کی طرح سادہ خوشیوں میں مشغول رہتا تہا۔ وہ اپنے گھوڑوں کے گداموں میں بہت دلچسپی لیتا تہا۔ جو مراغہ کی عمدہ چراگاہوں میں جہیل اورومیہ کے قریب ہیں۔ وہ اپنے باپ کی طرح نہایت عمدہ سوار ہے اور بندوق رئفل اور شکرے کے شکار میں بڑا ہوشیار ہے چونکہ وہ میدانوں میں رہنے کا بڑا شائق ہے اسلئے لوگوں سے ملنے کا اوسے اکثر اتفاق ہوتا رہا ہے اور اس طرح اوس کی خوش اخلاقی میں بھی ترقی ہوتی رہی جسکے واسطے وہ مشہور ہے اوس میں ایک خاندانی ترقی سردار کے بہت سے خوشگوار وصف ہیں اور امیر نظام کے جانے کے بعد اوسکی ذاتی خوبیوں اور ہمدردی سے اپنے فرائض کو پورا کرنے کی وجہہ سے اوسکی حکومت ہر دلعزیز ہو گئی ۔

جب اوس کے اور بہائی اپنے عہدوں کی وجہہ سے روپیہ کماتے تہے تو ولیعہد چھوٹے سے دربار پر قناعت کرتا تہا اس طرح وہ مناسب طریقے سے اپنی عزت قائم رکھتا تہا اور روپیہ جمع کرنے کی خواہش نہیں رکھتا تہا لوگ یہ بخوبی جانتے تہے اور اوس کی عزت کرتے تہے۔ کیونکہ وہ ایسے موقعوں سے بہی فائدہ نہیں اوٹھاتا تہا جو اگر کسی اور کو ملتے تو بہت سی دولت کما لیتے۔ اخباروں میں کئی دفعہ تذکرہ ہو چکا ہے کہ ظل سلطان نے اصفہان سے بہت سا روپیہ کما کر دوسرے ملکوں کے بنکوں میں جمع کرا دیا ہے

یہاں مظفر الدین شاہ کے دو بڑے بیٹوں کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے

بڑا علی مرزا جو بیس سال کی عمر کا ہے اوسکی ماں مرزا تقی خان امیر کبیر کی بیٹی ہے جسکی بیوی شاہ مرحوم کی پیاری ہمشیرہ تھی دوسرا ملک منصور پندرہ برس کی عمر کا ہے جسکی ماں خاندان قاجار کے شہزادے اسمعیل مرزا کی بیٹی ہے دوسرے کی بابت کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک پیارا اور دلربا نوجوان ہے اور یقین کیا جاتا ہے کہ شاہ بھی اوسے چاہتے ہیں دوسروں کو نہ کوئی جانتا ہے اور نہ اونکا ذکر کیا جاتا ہے لیکن یہہ کہا جا سکتا ہے کہ خلافت علی مسعود کے نصیب یقینی معلوم ہوتی ہے۔

قدرتی طور پر ولیعہد کے لئے اپنی صحت کا خیال رکھنا نہایت ضروری تھا۔ اول تو اوس کی آئندہ حالت اسی پر موقوف تھی اور دوسرے لوگ یہ چاہتے تھے کہ جانشینی میں کوئی خلل واقع نہو کیونکہ تبدیلی سے تمام ملک میں بے اطمینانی اور بے آرامی ہوتی جب ۱۸۹۲ء میں میں تبریز گیا جو اسوقت ولیعہد کے دربار میں تین حکیم تے ایک حکیم باشی مرزا محمد خان تھا یہ شخص ایک ایرانی تھا جو بڑا عالم اور اپنے پیشے میں خوب ماہر تھا وہ ہمیشہ شہزادے کے ساتھ رہتا تھا اوس کے ساتھ ایک انگریزی ڈاکٹر اڈیکاک صاحب جو اوسوقت بہت سال سے تبریز میں تھا اور اب تک مظفر الدین شاہ کے ساتھ ہے اور دوسرا اٹلی کا ڈاکٹر الیس کیٹیا لڈی تھا جو روسی کونسل جنرل کا رسالہ تھا جسکی بابت حال کی کوئی خبر مجھے معلوم نہیں ہے۔

باوجود بہت سے لوگوں کے شبہات کے کہ چند لوگ مخالفت پر آمادہ ہونگے مظفر الدین نہایت آرام سے جانشین ہو گیا ہے موجودہ خاندان کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ شاہ کی وفات کے بعد ولیعہد کو کسیکا مقابلہ نہ کرنا پڑا ہو۔ کرزن نے اپنی نہایت ضروری کتاب میں جو اس نے ایران پر لکھی تھی بیان کیا کہ تخت کی نسبت جھگڑا ہونا نہایت اغلب معلوم ہوتا ہے اور اوس کی پیشین گوئی سچی ثابت ہوئی مظفر الدین شاہ خاندان قاجار کا پانچواں بادشاہ ہے جسکا بانی آغا محمد تھا اور میں یہاں یہ بیان کر سکتا ہوں کہ اگر شاہ مرحوم ایک سال اور حکومت کرتا تو اس خاندان کی ایک صدی پوری ہو جاتی جسمیں صرف تین بادشاہ ہوئے اور یہ اپنے حکومت کی جو مشرقی سلطنتوں میں ایک قابل شہرت بات ہے

فتح علیشاہ ۱۷۹۷ء میں تخت نشین ہوا جسکو اوس کے چچا آغا محمد شاہ نے اپنا
ولیعہد مقرر کر لیا تھا۔ کیونکہ اوس نے خود کوئی شادی نہیں کی تھی وہ محمد شاہ
کے بھائی حسین قلی خان حاکم شیراز کا بیٹا تھا اور جب تخت نشینی کے واسطے طہران
بلایا گیا تو وہ وہیں اپنے والد کے پاس تھا جب آغا محمد شاہ نے اپنی فوج کے
ساتھ شمالی سرحد پر خیمہ زنی کی حالت میں انتقال کیا تو صدیق خان نے جو
آذربیجان کے قبیلہ شقاکی کا سردار تھا موقعہ پاکر تاج شاہی کے جواہرات اور
خزانے پر قبضہ کر لیا اور اپنے ہمراہیوں سمیت کیمپ سے چلدیا۔ لیکن زبردست
وزیر اعظم حاجی ابراہیم باقی فوج کو لیکر دارالخلافہ کیطرف چلا آیا جبکہ خاندان
قاچار کے سردار محمد خان نے اوس کے حکم کے مطابق شاہ کے اصلی وارث کیواسطے
قبضہ کر رکھا تھا۔ جنوب میں تخت کے دو دعویدار کھڑے ہوئے فتح علیشاہ کا اپنا
والد اور ذکی خان زند کا بیٹا۔ لیکن یہ دونوں اور شقاکی سردار جس نے شمال
میں ایسا ہی دعویٰ کیا تھا۔ نادر شاہ کا پوتا نادر مرزا جو افغانستان سے خراسان
آ گیا تھا اور علم بغاوت بلند کیا تھا۔ بہت جلد شکست کھا کر زیر ہو گئے۔ چونکہ
شقاکی خان کے پاس شاہی خزانہ اور تاج کے جواہرات تھے اسلئے اوسنے معافی
اور برقراری کا وعدہ کر لیا تھا۔ بعد ازاں اس نے قسم وفاداری کو توڑ کر بغاوت
کی اسلئے اوسکو گرفتار کر کے ایک قید خانے میں ڈالدیا جہاں وہ راہی ملک
عدم ہوا۔

فتح علیشاہ ۱۸۳۴ء میں مر گیا اور اس کے بعد اوسکا پوتا محمد شاہ عباس مرزا
کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ جو اپنے والد سے پیشتر انتقال کر گیا اپنے دادا کی زندگی
کے وقت وہ برائے نام آذربیجان کا اعلی حاکم تھا جیسا کہ دستور کے موافق ولیعہد
ہوا کرتا ہے اور میں پیشتر ذکر کر چکا ہوں کہ کسطرح انگریزی افسروں نے تخت کے
جھوٹے دعویداروں کو شکست دی اور اس کے حق کی حفاظت کی انمیں سے
ایک تو اوسکا چچا علی مرزا ظل سلطان تھا دوسرا حسین علی مرزا شیراز کا اعلی
حاکم تھا جن میں سے ہر ایک نے اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ جب فتح علی
شاہ اپنے بیٹے حسین علی مرزا کو زیر کرنے کے لئے شیراز کیطرف جا رہا تھا تو راستے

میں اوسکا انتقال ہوگیا حسین علی مرزا کو ضعف اور پیری کی وجہ سے اپنے والد کے انتقال کا پورا یقین تھا اسلئے اوسنے خراج دینا بند کر دیا تھا۔ اور یہی وجہ فتح علیشاہ کے چڑھائی کرنے کی تھی۔ باغی بیٹا تب فوج لیکر آگے بڑھا۔ اور اپنے والد کے جواہرات اور خزانے پر قبضہ کر لیا۔ اور اس کے بھائی ظل سلطان نے جو کچھ طہران میں باقی تھا اوسپر قبضہ کر لیا مگر محمد شاہ نے بعد ازاں یہ سب کچھ پھر واپس لے لیا۔

محمد شاہ کا بیٹا اور ولیعہد ناصر الدین آذربیجان میں والی حاکم تھا جب اوس کے والد کا طہران میں انتقال ہوا اور اس کے بعد چھ سات ہفتے تک تخت گدی خالی رہی تب جاکر کہیں دوسرے بادشاہ کا جشن تاجپوشی ہوا۔ اسوقت قصبوں میں فساد پھیلا ہوا تھا اور دیہات میں لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ علی مرزا کا بیٹا جسنے محمد شاہ کے ساتھ تخت کا دعوے کیا تھا گوشۂ تنہائی کو چھوڑکر اپنے چچیرے بھائی کے مقابلہ میں تخت کا دعویدار بنکر کاسوین میں اٹھ کھڑا ہوا لیکن اوس کی بغاوت بہت جلد فرو ہوگئی ایک اور بغاوت جو مشہد میں اسی غرض سے ہوئی تھی وہ بھی مٹ گئی۔ اور تب مرزا تقی خان امیر نظام بڑی کوشش سے ناصر الدین شاہ کی طاقت کو مضبوط کرنے میں کامیاب ہوگیا شاہ مرحوم کی دراز سلطنت اور عام طور پر اچھی حکومت نے لوگوں کو امن کا ایسا عادی بنا دیا ہے کہ وہ بادشاہ کے انتقال پر بغاوت اور سازش کے پرانے طریقوں کو بالکل بھلا بیٹھے ہیں

شاہی نشان اور ایرانی تاج کے جواہرات جنکا شاہی تبادلوں میں اکثر ذکر آتا ہے ایک تعجب انگیز خوش قسمتی سے باغیوں کے ہاتھ میں جاکر بھی صحیح و سلامت رہتے ہیں۔ تاج شاہی کے جواہرات زیادہ تر وہ ہیں جو نادر شاہ دہلی سے لوٹ کر لایا تھا جبکہ یہ شہر مشرق کی ایک نہایت دولتمند سلطنت کا پایۂ تخت تھا۔

جب وہ مشہد کے قریب مارا گیا تو خزانہ فوج نے لوٹ لیا جس کا ایک بڑا حصہ جسمیں مشہور و معروف ہیرا کوہ نور شامل تھا جو آجکل انگریزی تاج کو زینت بخشے ہوئے ہے نادر کی فوج کے افغانوں کے ہاتھ آیا ایک اور بڑے

حصے پر جسمیں کوہ نور کے ساتھ کا ہیرا دریائے نور شامل تھا ایرانی سپاہیوں
نے قبضہ کر لیا۔ جنہوں نے یہ سب کا سب خراسان اور آس پاس کے ضلعوں
میں چھپا دیا ۔

جب آغا محمد شاہ لڑائیوں سے فرصت پا چکا اور اپنی حکومت اچھی
طرح قائم کر چکا تو اس نے نادرشاہ کے جواہرات کو تلاش کرنا شروع کیا وہ
مشہد پہنچا اور وہاں فریب اور بے طرح کیمپ لوٹنے والوں سے جواہرات
حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا جو آجکل ایرانی خزانے کو مالا مال کر رہے ہیں۔
اُن کی قیمت بہت بڑی خیال کیجاتی ہے۔

ایران کے شاہی نشان اور تاج کے جواہرات لوٹ سے بچ جانا جبکہ وہ
آغا محمد شاہ اور فتحعلیشاہ کی وفات کے بعد باغیوں کے ہاتھ میں تھے
نہایت تعجب خیز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ایک خوف اور
عزت کا خیال بیٹھا ہوا ہے جسکی وجہ سے باغیوں نے جواہرات کو تاج
میں سے نہیں نکالا۔ یا سلامتی اعداد کے اصول پر ہر شخص ایک بڑے حصے
کی امید میں اپنے ساتھی کو سب کی مشترک چیز کے چرانے سے منع کرتا رہا ہے۔
یہ عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ شاہ مرحوم کا بڑا بیٹا سلطان مسعود مرزا جسکا نام
ظل سلطان زیادہ مشہور ہے اپنے بھائی کے مقابلہ میں تخت پر دعوی کریگا۔
لالچ اور بیرحم درجے کی خود پسندی نے اسے ایسا کوتہ اندیش بنا دیا کہ اوسنے
اپنے طرفداروں کو اجازت دیدی کہ وہ اوسکی خوبیاں باواز بلند بیان کریں۔
اور اسے اپنے باپ کا اصلی وارث ظاہر کریں۔

شاہ مرحوم کے نرم برتاؤ کی وجہ سے اوس نے جنوب میں اپنا
اختیار بڑھانے کی ایسی بے سوچے سمجھے درخواستیں کیں کہ اوس کے والد
نے مجبور ہو کر کہدیا کہ ایران اتنا بڑا ملک نہیں ہے کہ دو بادشاہ حکومت
کرسکیں میرا خیال ہے کہ جنوب میں نیابت قائم کرنیکا ارادہ لیجئے تو فانہ غرور کیوجہ سے
تھا۔ نہ کہ اپنی نیم آزادی کے خیال سے جیسا کہ بعض لوگ جنہوں نے اوس کا
ذکر سنا تھا۔ سمجھتے ہیں ۔

اوسکا والد ہمیشہ اوس کو میرے پیارے بلو بیٹے کہا کرتا تھا اور ۱۸۸۸ء
تک اوس نے اس کو بہت سا اختیار دے رکھا تھا اور وہ جو چاہتا تھا کرتا
تھا۔ وہ سپاہیوں کے کھیل کا بہت شوقین تھا۔ اس لغو چیز میں وہ ایسا
مشغول ہوا کہ اوس نے ایک بڑی اور مضبوط فوج بنا لی جو ایسی اچھی
تھی کہ شاہ نے اوس میں سلامتی نہ دیکھی۔ ناصر الدین نے ایک معتبر افسر
کو اس فوج کی بابت رپورٹ لانے کے لئے اصفہان بھیجا اور ظل سلطان کا
اپنے آپ پر ایسا بھروسا تھا کہ اوسنے باہر جاکر اوسے ہر چیز دکھلا دی اور اپنی
فوج کو نہایت اعلیٰ حالت میں ظاہر کیا۔
اسپر شاہ کو یہ معلوم ہوا اوس نے حکم دیا کہ فوج کم کرکے علاقے کی ضرورت
کے موافق رکھی جاوے۔ اسوقت موقعہ ایسا تھا کہ ظل سلطان کا پلہ بھاری
تھا۔ کیونکہ اوس کے پاس نہایت عمدہ فوج تھی۔ لیکن اوسے زیر ہونا پڑا
اس نے سمجھا کہ دربار میں امین السلطان جو آجکل صدر اعظم ہے میرا دشمن ہے
اور خیال کیا کہ یہی شخص ہے جسکی بات شاہ زیادہ تر مانتا ہے تب اوس کی
تعلقات طہران کیساتھ ایسے نازک ہو گئے کہ شاہ نے اسے بلا بھیجا کہ آکر
اپنی سب خواہشات ظاہر کرو۔ باپ بیٹے کی ملاقات سے بھی معاملات طے
نہوئے اور بیٹے نے کہا کہ میں اور سب جگہوں کی گورنری سے دست بردار
ہوتا ہوں اور صرف اصفہان کا گورنر ہونگا۔ اوس کی درخواست قبول
ہو گئی اور اسوقت سے آسنے وزیر اعظم کی دشمنی کو چھپانا چھوڑ دیا۔
دو تین سال شاہ نے وہ علاقے پھر اوسی کو دیدیئے جن کو وہ ۱۸۸۸ء
میں چھوڑ چکا تھا۔ اور اس طرح وہ روپیہ جمع کرنیکا کام جو اس نے فوج
کم ہو جانے کے بعد شروع کر رکھا تھا۔ زیادہ کامیابی سے پورا کرنے لگا۔
ظل سلطان کی برائے نام ہمیشہ کمان فوج کا بہت سا حصہ بختیاری
جنگجو لوگوں پر مشتمل ہے اس نے ۱۸۸۲ء میں ان کے ہر دلعزیز سردار
حسین قلی خان کو سبب رحمی اور غداری سے قتل کر ڈالا۔ اور اوس کے بیٹے
اسفندیار کو جو اپنے باپ کی طرح بہت ہر دلعزیز تھا بہت مدت تک قید کر رکھا

اسوجہ سے وہ لوگ اس سے بالکل علیحدہ ہو گئے۔ اب اس نے
اپنے بھائی مظفر الدین کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ اس لئے اب ہم کہہ
سکتے ہیں کہ جنوب میں یقیناً امن رہے گا۔

نائب السلطنت کرمان مرزا۔ جو وزیر جنگ۔ کمانڈر انچیف اور طہران
کا حاکم تھا۔ ہمیشہ اپنے والد کی خدمت میں رہتا تھا۔ اوس کے بے وقوف
ہمراہی اسے بھی تخت کا دعوے دار سمجھتے تھے۔ لیکن اوس نے خود کبھی
ایسا خیال نہیں کیا۔ کمانڈر انچیف ہونے سے اوس کو کوئی اصلی طاقت
حاصل نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت میں یہ عہدہ اور گورنری کی شان کو بھی
گھٹاتا ہے۔ کیونکہ سپاہی خیال کرتے ہیں کہ اوس کی خوشیوں کے سامان
اور قیمتی محلات کی خاطر اون کے پیٹ کاٹے جاتے ہیں

حقیقت میں سوائے گارد شاہی کے اور ایک کمزور ایرانی کاسکوں
کے رسالے کے ایران میں کوئی مستقل فوج جو ہمارے مفہوم میں ہے نہیں
ہے۔ توپخانہ اور پیادہ فوج جو قلعوں میں مقیم رہتی ہیں۔ صرف بقاعدہ
فوج کی رجمنٹیں ہیں۔ جو ایک وقت میں دو سال کے واسطے بھرتی کیجاتی
ہیں۔ ایک سال کی نوکری کے بعد دو سال کی رخصت ہوتی ہے اور ان
کے اپنے ہی سردار ہوتے ہیں۔ فوج کا انتظام وزرا۔ اعلا افسروں
اور دوسرے لوگوں کے سپرد کیا جاتا ہے جس کے عوض میں یہ لوگ نفع یا لالچ
اٹھا لیا جاتا ہے۔ اس طریقہ سے فوج پر صرف اونکا اختیار نہ یا دہ تر
ہوتا ہے جو تنخواہ کا انتظام کرتے ہیں نہ کمانڈر انچیف کا جو محض دروازہ
ہوتا ہے جسمیں سے محصول منہا ہو کر تنخواہ گذرتی ہے نائب السلطنت بھی
اپنے بھائی ظل سلطان کی طرح وزیر اعظم سے دشمنی رکھتا ہے۔ چونکہ وہ
بادشاہ اور اوس کے جانشین کا نمک حلال ملازم رہا ہے اس لئے اکثر
بڑے بڑے لوگ اس کے دشمن ہو گئے ہیں۔

میں اب لائق اور عقلمند صدر اعظم کے حق میں چند سطور لکھنے کے
بعد ختم کرتا ہوں۔ اوس نے اپنے چال چلن کی مضبوطی۔ ارادے کی پختگی اور

جسنے عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ تاج کا نمک حلال اور شاہ کا وفادار ملازم ہے۔ اور وہ غیر معمولی چھوٹی عمر میں وزارت عظمے کے اعلی عہدے تک پہنچ گیا۔ اس لئے بہت سے لوگ اوس کے ایسے دشمن ہو گئے کہ اکثر اوقات اوسے دقتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اوس کی پرلے درجے کی علوہمتی اور عقلمندی میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ذاتی خوبیوں کے وہ ملکی معاملات سے حیرت انگیز واقفیت رکھتا ہے جس کی وجہہ سے وہ نہائیت کارآمد وزیر ہے۔ عوام الناس اوس سے محبت کرتے ہیں کیونکہ وہ اسکا مستحق ہے۔

نہ صرف وہ کشادہ دل اور مہربان ہے وہ ان کے خیالات کو سمجھ سکتا ہے اور اون کے دل کی خواہش معلوم کر سکتا ہے۔

جب عبد العظیم شاہ صاحب کی خانقاہ میں ناصر الدین کو زخمی کیا گیا تو وہ بھی اس وقت ساتھ تھا اور فوراً لاشے اٹھوا کر طہران کے محل شاہی میں لے آیا۔ دن کے دو بجے یہہ واقعہ ہوا۔ اس کے چار گھنٹے بعد شاہ نے انتقال کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ صدر اعظم اوسی وقت نوحتہ کو سمجھ گیا اور بذریعہ تار ولیعہد سے گفتگو کرنی شروع کر دی جو چار سو میل کے فاصلے پر تبریز میں تھا۔ اوس نے تب تمام وزرا اور ارکین سلطنت لوافسران جنگ اور شہر کے با اختیار لوگوں کو محل شاہی میں بلوا کر شاہ کی موت سے مطلع کیا اور اوس کی عقلمندانہ تجویز سے مظفر الدین مرزا کو اوس کے والد کی وصیت کے مطابق جانشین تسلیم کر لیا۔

تب اوس نے دوست سے زیادہ طاقتور اور گہرے تعلقات والے ملکوں یعنی انگلستان اور روس کے سفیروں کو محل میں بلوایا۔ اون کے پہنچنے پر صدر اعظم نے اون کے سامنے سب حاضرین کی طرف سے اطاعت کا تار ولیعہد کو دیا۔ یہ سب کچھ ناصر الدین شاہ کی وفات کے بعد چار یا پانچ گھنٹے میں طے ہو گیا اور دوسری صبح کو اس فیصلے کے مطابق عام طور پر منادی کرا دی گئی۔ کہ مظفر الدین شاہ مرحوم کی بجائے ایران کا

ادشاہ ہو گا۔
اس طرح تاریخ بتاتی ہے کہ جب ناصر الدین شاہ نے ملک میں رواج دیا تھا
ب ملک کو اس بے یقینی کی حالت سے بچانے میں بہت بڑا کام کیا۔ اس
ے اعتباری کی وجہ سے ایران میں ایک شاہ کی وفات اور اس کے
نشین کی تخت نشینی کے درمیان کا وقت اکثر خانہ جنگی میں گذرتا
تھا۔